

سلسلہ ادراک و قتل و جال باب لد سے حصہ دوم

# دجال و مقتدر دجال یا جمع اور ماحوج

دنیا کے تمام ادیان، مذاہب، فرقوں، گروہوں، تنظیموں، جماعتوں وغیرہ کی جڑیں  
کاٹ کر رکھ دینے والی، علماء کے نام پر نبوت کے دعویداروں، اللہ کی طرف  
دعوت کے لہادے میں جہنم کی طرف دعوت دینے والوں کا دجل چاک کر دینے  
والی کتاب۔ اس کے علاوہ ایسے ایسے حقائق و انکشافات جو دہلا کر رکھ دیں۔  
خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی تصدیق۔

تالیف: ابو مصعب الخراسانی الشامی

شائع کردہ: ادارہ نشر و اشاعت الانفال میڈیا سنٹر الخلافہ الاسلامیہ



# دجال، مشرک و جال یا جمع اور ماحوج

## ضروری اعلان۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کتاب کا دنیاوی نفع کے حصول کے لیے اور کسی بھی منفی مقصد کے حصول کی خاطر کسی قسم کے استعمال کی اجازت نہیں خلاف ورزی کرنے والے سے ہم مکمل برأت کا اظہار کرتے ہیں اور معاملہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ البتہ خالص اللہ کی رضا کے حصول اور دنیا میں دین کے قیام کی خاطر کتاب کے ہر قسم کے مثبت مقاصد کی خاطر استعمال کی مکمل اجازت ہے۔ نیز اس کتاب سمیت ابو مصعب الخراسانی الشامی کی تمام کتب کا کسی بھی زبان میں ترجمہ کر کے شائع کرنے کی بھی مکمل اجازت ہے۔



## سلسلہ ادراک و قتل دجال باب لد سے حصہ دوم

- نام کتاب۔ \_\_\_\_\_ دجال، فتنہ دجال، یاجوج اور ماجوج
- مکمل کتاب۔ \_\_\_\_\_ چھ حصے
- اصل متن۔ \_\_\_\_\_ اردو
- از قلم۔ \_\_\_\_\_ ابو مصعب الخراسانی الشامی
- پروف ریڈنگ و معاونین۔ \_\_\_\_\_ [ابو ہابیل الخراسانی الشامی]  
[ابو أسامہ الخراسانی الشامی]
- صفحات۔ \_\_\_\_\_ ۱۸۱۔ ۱۷۲ سے ۳۵۳ تک
- کمپوزنگ۔ \_\_\_\_\_ عبد الرحمن الہندی
- گرافکس ڈیزائننگ۔ \_\_\_\_\_ ابراہیم صدیق
- ایڈیشن۔ \_\_\_\_\_ اول، آن لائن
- تعداد اشاعت۔ \_\_\_\_\_ لاتعداد
- تاریخ اشاعت۔ \_\_\_\_\_ ۲۰ رجب ۱۴۳۷ ہجری / 27 اپریل 2016 عیسوی
- شائع کردہ۔ \_\_\_\_\_ الانفال میڈیا سنٹر الخلافة الاسلامیة



ادارہ نشر و اشاعت ”الانفال میڈیا سنٹر“ الخلافة الاسلامیة علیٰ منہاج النبوة

بذریعہ ای میل

رابطہ۔

alanfalmc@gmail.com

الانفال میڈیا سنٹر۔

abumusabks@gmail.com

ابو مصعب الخراسانی الشامی۔

# دجال، فتنہ دجال یا جوج اور ماجوج

الانفال  
على منهاج النبوة

اداره نشر و اشاعت ”الانفال ميڈيا سنٹر“ الخلافة الاسلامية على منهاج النبوة

# فہرست

مضامین

صفحہ

180	☆ باب ذالقرنین علیہ السلام اور یاجوج و ماجوج
180	☆ ذالقرنین علیہ السلام کون تھے؟
180	☆ ذالقرنین اور یاجوج و ماجوج کا واقعہ
180	☆ یاجوج اور ماجوج کا کب کہاں اور کیسے قید کیا جانا سمیت تمام سوالات کے جوابات
252	☆ ذالقرنین علیہ السلام کا دوسرا سفر
265	☆ تیسرا سفر
305	☆ ذالقرنین کی بنائی ہوئی مادی رکاوٹ کا ٹوٹنا
312	☆ لفظ ذالقرنین کے معنی
313	☆ سلیمان علیہ السلام کے ذالقرنین ہونے کی پہلی وجہ
313	☆ سلیمان علیہ السلام کے ذالقرنین ہونے کی دوسری وجہ
314	☆ سلیمان علیہ السلام کے ذالقرنین ہونے کی تیسری وجہ
314	☆ محمد رسول اللہ ﷺ بھی ذالقرنین تھے
317	☆ سلیمان علیہ السلام کے ذالقرنین ہونے کی چوتھی وجہ
320	☆ عیسیٰ علیہ السلام کیسے ذالقرنین ہیں
322	☆ برمیودہ مثلث

# فہرست

مضامین

صفحہ

325	☆ ڈریگن ٹرائی اینگل یا شیطانی سمندر
325	☆ باب سورج کا مغرب سے طلوع ہونا
325	☆ پہلا پہلو
327	☆ دوسرا پہلو
333	☆ تیسرا پہلو
341	☆ چوتھا پہلو
342	☆ پانچواں پہلو



## ضروری نوٹ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مکمل کتاب ہزار سے زائد صفات پر مشتمل ہے لیکن ہم نے کتاب کو چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں پوری کتاب کی فہرست دی گئی ہے لیکن صفات کے نمبرز صرف پہلے حصے کے ہی دیئے گئے۔ اس کے علاوہ ہر حصے کے شروع میں حصہ اول کے برعکس وہی فہرست آئے گی جو اُس حصے میں موجود ہوگا۔ فہرست میں بنیادی مضامین کا ذکر کیا گیا ہے نہ کہ ان کی وضاحت میں آنے والے مضامین کا ذکر کیا گیا جس کی وجہ یہ ہے کہ اگر باریکی سے فہرست مرتب کی جاتی تو فہرست بہت لمبی ہو جاتی۔ اس لیے صرف بنیادی مضامین کے عنوانات کا ہی فہرست میں ذکر کیا گیا ہے۔ کتاب کا شروع سے لے کر آخر تک یعنی تمام چھ حصوں کا آپس میں گہرا ربط ہے۔ کتاب کے شروع سے لیکر آخر تک اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ کہیں بھی ربط نہ ٹوٹے اس لیے جب تک شروع سے آخر تک مکمل کتاب نہیں پڑھی جائے گی تب تک بہت سی باتیں جو سمجھنا ضروری ہیں وہ سمجھ نہیں آئیں گی۔ اس لیے ہماری نصیحت یہی ہے کہ کتاب کو کہیں کہیں سے پڑھنے کی بجائے کم از کم ایک بار اول تا آخر ترتیب کیساتھ لازم پڑھا جائے تب ہی نہ صرف فائدہ ہوگا بلکہ بہت سے ایسے حقائق اور راز ہیں جن پر سے پردہ اٹھے گا۔ اور اس کے بعد ہی وقت کی نزاکت کا ادراک ہوگا کہ ہم کس وقت میں موجود ہے۔ ایک عظیم تباہی بالکل ہمارے سر پر آچکی ہے اس سے کیسے بچا جاسکتا ہے تاکہ دنیا و آخرت میں فلاح پاسکیں۔ کتاب میں سورج کے مغرب سے طلوع ہونے جو کہ علامات ساعت کی سب سے پہلی علامت ہے سے لیکر آخری علامت پر اس طرح قرآن و سنت کی روشنی میں بات کی گئی ہے کہ کسی بھی موضوع کو سمجھنے میں رائی برابر بھی مشکل پیش نہیں آئے گی بشرطیکہ انسان اللہ سبحان و تعالیٰ کی عائد کردہ شرائط پر پورا اترے۔

## باب ذالقرنین علیہ السلام اور یاجوج و ماجوج

ذالقرنین علیہ السلام کون تھے؟

ذالقرنینؑ اور یاجوج و ماجوج کا واقعہ

یاجوج اور ماجوج کا کب کہاں اور کیسے قید کیا جانا سمیت تمام سوالات کے جوابات

یاجوج اور ماجوج کو قید ذالقرنین علیہ السلام نے کیا تھا۔ ذالقرنین علیہ السلام کون تھے؟ اور انہوں نے یاجوج اور ماجوج کو قید کب اور کیوں کیا سمیت پیدا ہونے والے سوالات کے جوابات جاننا بہت ضروری ہیں تاکہ ہم پر مزید حقائق کھل کر واضح ہو جائیں اس لیے اب ہم سورۃ الکہف میں ذالقرنین علیہ السلام والے واقعے میں غور و فکر کرتے ہوئے سب سے پہلے اس سوال کا جواب حاصل کریں گے کہ ذالقرنین علیہ السلام کون تھے جیسے ہی ہمیں اس سوال کا جواب ملے گا تو قرآن ہماری مزید غیر معمولی راہنمائی کرے گا اور ہمارے لیے باقی تمام سوالات کے جوابات بھی واضح ہو جائیں گے۔

ذالقرنین علیہ السلام کون تھے اس سوال کا جواب جاننا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے ذالقرنین علیہ السلام کا ذکر سورۃ الکہف میں کیا ہے۔ ذالقرنین علیہ السلام کا نہ صرف یاجوج اور ماجوج کے واقعے سے گہرا تعلق ہے بلکہ قرب قیامت کے دور سے بھی ذالقرنین علیہ السلام کا گہرا تعلق ہے۔ جس کا علم ہم تب ہی حاصل کر پائیں گے جب ہم پر بالکل کھل کر بغیر کسی شک و شبہ کے واضح ہو جائے کہ ذالقرنین علیہ السلام کون تھے۔

لَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ فَأَبَى أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا

كُفُورًا. الاسراء ۸۹

اور تحقیق کہ ہم نے ہر طرف سے پھیر پھیر کر بیان کر دیا اس قرآن میں سب کچھ، پس انکار کیا انسانوں کی اکثریت نے مگر ناشکری۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ

جَدَلٍ. الکہف ۵۴

اور تحقیق کہ ہم نے ہر طرف سے پھیر پھیر کر بیان کر دیا اس قرآن میں سب کچھ، اور تھا انسان اکثریت معاملات میں جھگڑا کیا۔

دونوں آیات کے پہلے حصے میں اللہ سبحان و تعالیٰ کہہ رہے ہیں کہ کوئی بھی ایسی شے نہیں، کوئی بھی معاملہ، مسئلہ وغیرہ جس کو اللہ نے اس قرآن میں ہر لحاظ سے کھول کر بیان نہ کر دیا ہو۔ یعنی سب کچھ بیان کر دیا اور وہ بھی پھر پھیر کر۔ مثال کے طور پر جیسے اگر آپ بازار سے کوئی شے خریدتے ہیں تو اسے ہر طرف سے ٹٹولتے ہیں کہ کہیں اس میں کوئی عیب، نقص یا خرابی وغیرہ تو نہیں۔ بالکل اسی طرح اللہ نے قرآن میں سب کچھ جو بھی انسان کے ساتھ پیش آ سکتا ہے جو بھی انسان کے لیے سوال پیدا ہو سکتا ہے حتیٰ کہ کچھ بھی ایسا نہیں چھوڑا جسے اس طرح ہر طرف سے کھول کر بیان نہ کر دیا ہو۔ لیکن انسانوں کی اکثریت اس کا انکار کرتی ہے اور انکار کیوں کرتی ہے اس کا جواب بھی اللہ سبحان و تعالیٰ نے دے دیا۔

مگر ناشکری۔ کتاب میں آگے چل کر شکر کے معنی بالکل واضح ہو جائیں گے۔ انسان کا شکر نہ کرنا اس کی وجہ ہے۔ یعنی کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے اسے جتنی بھی نعمتیں دیں جس مقصد کے لیے دیں اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہتا۔ انہیں اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنا چاہتا ہے اس لیے وہ انکار کرتا ہے کہ قرآن میں فلاں معاملے کا بھی ذکر نہیں اور فلاں کا بھی۔ اور اسی طرح انسان نے معاملات کی اکثریت کے حوالے اسے قرآن میں جھگڑا کیا۔ ایک طرف قرآن کچھ حکم دے رہا

ہے لیکن انسان اس کو تسلیم کرنے کے قریب بھی نہیں جاتا کیونکہ اس کی خواہشات کا قتل ہوتا ہے اور وہ یہ چاہتا نہیں۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ

اِخْتِلَافًا كَثِيرًا. النساء ۸۲

کیا پس نہیں تدبر کرتے قرآن اور اگر تھا کسی اور سے اللہ کے علاوہ کہ تم پاتے اس میں کثیر اختلاف۔

پھر یہ بھی ہے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ کی طرف سے کھلم کھلا اعلان ہے کہ اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو تم اس میں کثیر اختلاف پاتے۔ یعنی اگر ہم اس آیت کو صرف پیچھے بیان کی جانے والی دو آیات کے تناظر میں دیکھیں تو ایسا ممکن ہی نہیں کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے قرآن میں جو سوالات اٹھائے ہوں ان کے جوابات بھی قرآن میں نہ دیئے ہوں حتیٰ کہ انسان کے اس دنیا میں موجود رہنے تک پیش آنے والے کسی بھی معاملے کا حل ایسا نہیں ہے کہ قرآن میں نہ ہو۔ کسی بھی قسم کے پیدا ہونے والے سوال کا جواب قرآن میں نہ ہو یہ ناممکن ہے۔ اگر ایسا ہو تو گویا کہ قرآن میں اختلاف ہے کہ ایک طرف اللہ سبحان و تعالیٰ یہ کہہ رہے ہیں کہ اس میں سب کچھ ہر طرف سے پھیر پھیر کر بیان کر دیا اور دوسری طرف اللہ سبحان و تعالیٰ نے ایسے سوالات کے جوابات نہ رکھے جو بڑے بڑے سوالات ہیں جن کے جوابات جاننا بہت ضروری ہیں۔ ایسی صورت میں تو یہ پھر اللہ کی طرف سے نہ ہوا بلکہ غیر اللہ کی طرف سے ہوا۔ اور یہ ناممکن ہے۔ ہمارا اس پر ایمان ہے نہ صرف ایمان ہے بلکہ یقین ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس میں کوئی بھی اختلاف نہیں۔ البتہ ہماری سمجھ کا فرق ہو سکتا ہے۔ قصور ہمارا اپنا ہو سکتا ہے کہ ہم اس معیار پر ہی پورے نہ اترتے ہوں جو معیار اللہ سبحان و تعالیٰ نے قرآن کو انسان پر کھولنے کے لیے مقرر کر دیا۔

ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ

لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ. البقرة ۷۶

اس کے ساتھ کچھ شک نہیں کہ اللہ نے نازل کیا کتاب کو حق کیساتھ اور اس میں کچھ شک نہیں ایسے جنہوں نے ضد میں اختلاف کیا کتاب میں، دور جا پڑے۔



اب اگر ہم اس کے باوجود اللہ کی کتاب میں اختلاف کریں گے تو یہ اللہ کا قانون ہے کہ ہم صراطِ مستقیم کی طرف لانے والے قانون سے کٹ کر اتنی دوری پر جا پڑیں گے کی اس وقت تک واپسی ناممکن ہو جائے گی جب تک کہ ہم اللہ کے قائم کردہ معیار پر پورے اترتے ہوئے اپنے ہر مسئلے کا حل اللہ کی کتاب سے حاصل کرنے کی جدوجہد کریں۔ اور اگر ہم نے کسی بھی مسئلے کے لیے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا کسی بھی نوعیت کا ہو کے حل کے لیے اللہ کی کتاب کے علاوہ کسی بھی اور طرف رجوع کیا تو پھر اللہ کی طرف سے یہ جواب ہوگا کہ جاؤ اگر حل ملتا ہے تو تلاش کر لو جو کہ ملنا ناممکن ہوگا اور گمراہی ہر صورت پکی ہوگی۔

قرآن کی ان آیات کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے سامنے سوال ہے ذالقرنین علیہ السلام کے بارے میں۔ سورۃ الکہف میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے ذالقرنین کا ذکر کیا۔ اب ایسا ممکن نہیں ہے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے اس سوال کا جواب ہی نہ رکھا ہو کہ ذالقرنین تھے کون۔

کیونکہ اس سوال کے جواب کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ جب تک اس سوال کا جواب نہیں حاصل ہوگا تب تک یا جوج اور ماجوج کو سمجھنا کافی حد تک مشکل ہوگا اس کے علاوہ اور جن معاملات کا ذالقرنین کیساتھ تعلق ہے اس کی بھی سمجھ نہیں آئے گی جن کی وضاحت آگے آجائے گی۔

اللہ کی کتاب قرآن میں غور و فکر کرنے کے بعد جب اللہ سبحان و تعالیٰ نے ذالقرنین علیہ السلام پر میری راہنمائی کر دی میرے صدر پر ذالقرنین علیہ السلام کی حقیقت کھول دی تو اس کے بعد میں نے کوشش کی کہ باقی جتنے بھی تاریخی مذاہب یا ادیان ہیں ان کی کتابوں وغیرہ میں دیکھا جائے کہ آیا کسی مذہب یا دین کی کتاب میں ایسی کسی شخصیت کا ذکر ملتا ہے۔ جو قرآن میں ذالقرنین علیہ السلام کے احوال پر پورا اترتا ہو۔ اس کے علاوہ جن دو شخصیات ”سکندر یونانی جو کہ آتش پرست مشرک تھا اور سائرس ایرانی“ کو ذالقرنین قرار دیا گیا اس کی حقیقت کیا ہے اور کس بنیاد پر ان دو شخصیات کو ذالقرنین قرار دیا گیا۔ اس کے لیے میری سب سے پہلی منزل یہودیوں کی کتابیں تھیں۔ جس میں سرفہرست پرانا عہد نامہ یا قدیم بائبل جسے ہم تورات کہتے ہیں لیکن وہ تورات نہیں بلکہ تورات سمیت کئی کتابوں کا مجموعہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد آنے والے مختلف انبیاء سے منسوب کی جاتی ہیں۔

پرانا عہد نامہ یعنی قدیم بائبل سے مجھے دو شخصیات ملیں ایک تو سائرس ایرانی کا ذکر تھا لیکن سائرس ایرانی پر جب میں نے تحقیق کی تو وہ کسی بھی صورت قرآن میں مذکور ذالقرنین علیہ السلام کی تعریف پر پورا نہیں اترتا۔ الا یہ کہ اگر آپ ایسا نظریہ قائم کر لیں کہ وہی ہے اس کے علاوہ اور کوئی نہیں۔

اور دوسری شخصیت سلیمان علیہ السلام کا مجھے ذکر ملا۔ پرانے عہد نامے میں سلیمان علیہ السلام کے بارے میں بیان کی گئی تفصیل کی روشنی میں بظاہر سلیمان علیہ السلام کو ذالقرنین ثابت کرنا مشکل ہے لیکن جو کچھ سلیمان علیہ السلام کے بارے میں بیان کیا گیا ہے وہ سب کا سب بالکل واضح کرتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام ہی ذالقرنین ہیں۔

اس کے علاوہ مجھے دنیا کی صرف ایک ہی تاریخ کی کتاب سے ایک شخصیت کا ذکر ملا جو بالکل ذالقرنین علیہ السلام پر پورا اترتا ہے۔ اس کتاب کو ہندوؤں کی مذہبی تاریخ کی کتاب کہا جاتا ہے لیکن جس مذہب کو دنیا ہندو ازم کا نام دیتی ہے اس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہندو، ہندو ازم یا بدھ مت نام کا کوئی بھی دین یا مذہب دنیا میں وجود نہیں رکھتا۔

ہند کے رہنے والے وہ لوگ جو بت پرستی کرتے ہیں انہیں ہندو کہا جاتا ہے جس سے یوں گمان ہوتا ہے کہ ہندو کسی دین یا مذہب کا نام ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جیسے عرب کے رہنے والے عربی، چین کے رہنے والوں کو چینی، روس کے رہنے والوں کو روسی کہا جاتا ہے بالکل اسی طرح خطہ ہند کے رہنے والوں کو ہندو کہا جاتا تھا جو کہ بلا تفریق ہر اس شخص کو کہا جاتا تھا جو خطہ ہند کا باشندہ ہوتا تھا۔

آج سے تقریباً تین ہزار سال قبل دنیا میں ایک شخصیت گزری جس نے پوری دنیا پر اپنی حکومت قائم کی۔ اس شخصیت سے پہلے دنیا بالکل آج کی طرح دنیا بہت سے ممالک میں تقسیم تھی ترقی کے نام پر فساد اپنے عروج پر تھا۔ لیکن جب اس شخصیت کو اللہ سبحان و تعالیٰ نے زمین پر تمکن دیا تو اس نے پوری دنیا سے ان سرحدوں کو ختم کر دیا اور پوری دنیا کو ایک ملت بنا دیا۔ پوری دنیا پر ایک ہی دین کو قائم کر دیا۔ اور وہ تھا دین ابراہیم علیہ السلام۔

اسی شخصیت نے اس وقت کے خطہ ہند کو فتح کیا یہاں پورے خطے میں اسلام قائم کیا یوں پورے کا پورا خطہ ہند ایمان لایا۔ اس شخصیت کے عدل و انصاف اور اپنی رعایا کیساتھ سلوک کی تاریخ میں ابھی تک ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ دنیا میں اور بلخصوص اس وقت ہند کا کوئی ایک بھی باشندہ ایسا نہیں تھا جو اس شخصیت سے متاثر نہ ہوا ہو۔ اس شخصیت کو پوری دنیا میں سب سے زیادہ پذیرائی ہند میں ہی حاصل ہوئی۔ اور ہند کے لوگ اس شخصیت کو دیوانوں کی طرح چاہتے تھے۔ اسی دوران اسی شخصیت اور اس کے دور کی تاریخ پر مبنی ہند کی اس وقت کی زبان سنسکرت میں ایک کتاب لکھی گئی جس کا نام مہا بھارت یا مہا بھارتا ہے۔

اس کے بعد دنیا میں جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اسلام کی شکل کو بگاڑا جاتا رہا اور یہ سلسلہ محمد رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے تک

مسلسل جاری رہا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے مبعوث کیے جانے سے پہلے دنیا میں مجموعی طور پر چار مختلف ادیان موجود تھے جن میں ایک اسلام، دوسرا یہودیت، تیسرا عیسائیت اور چوتھا بدھ مت تھا۔

یہودیت اور عیسائیت اسلام کو ہی گروہ کی شکل میں مقید کرنے کا نام ہے یعنی نہ ہی یہودیت کی اپنی کوئی حقیقت ہے اور نہ ہی عیسائیت کی بلکہ یہ دونوں اسلام کے بگاڑے گئے نام تھے۔ اسی طرح پیچھے دو ادیان رہ جاتے ہیں جن میں ایک بدھ مت اور دوسرا اسلام۔

بدھ مت بھی اسلام کی بگڑی ہوئی شکل ہے اس کا پس منظر بھی ان شاء اللہ موضع کی مناسبت سے بیان کیا جائے گا۔ اور رہی بات رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے اسلام کی تو اس وقت خطہ عرب، ہند، خراسان اور افریقہ میں اسلام دین ابراہیم ہی موجود تھا لیکن اس کی حالت اتنی بگاڑ دی جا چکی ہوئی تھی کہ دین ابراہیم کے نام پر بت پرستی کا اس وقت کی نام نہاد مسلم دنیا میں عروج تھا۔

اسلام کے نام پر خطوں میں اس وقت بھی مرکزیت مکہ کو ہی حاصل تھی جو حالت اسلام کی اس وقت مکہ میں تھی بلکل وہی حالت اسلام کی ان خطوں میں ہو چکی تھی جن کا مکہ کے ساتھ تعلق تھا جیسے کہ آج بھی قائم ہے جسے ہم حج کا نام دیتے ہیں۔ تمام مذاہب میں آخری نبی محمد رسول اللہ ﷺ کے آنے کی خبر دی گئی تھی اور اس کی تمام نشانیوں کو بھی بیان کیا گیا تھا۔ جب آخری نبی الزماں رحمت العالمین کی بعثت ہوئی تو اس وقت کی نام نہاد مسلم دنیا کی اکثریت نے انکار کر دیا جس میں ہند بھی سر فہرست تھا۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے عرب کے علاقوں سے جب شرک کو صاف کیا اور مشرکین کے مکہ میں داخلے پر پابندی لگا دی تو اس وقت ہند کے نام نہاد مسلم درحقیقت بت پرست مشرکین کے لیے مرکز کے دروازے بند ہو گئے۔ جس کی وجہ سے وہ حج کے نام پر سالانہ اجتماع سے محروم ہو گئے۔

اسی حج کے نام پر سالانہ اجتماع میں وہ احرام باندھتے تھے، حجر اسود کو دودھ سے نہلاتے تھے جب مکہ کے دروازے نام نہاد مسلم دنیا یعنی مشرکین پر بند ہو گئے تو اس کا حل یہ نکالا گیا کہ ہند میں ہی حج کے نام پر سالانہ اجتماع کی بنیاد رکھ دی۔ اس اجتماع میں احرام بھی باندھا جاتا اور کعبے کے نام پر ایک فرضی عمارت بھی تعمیر کر ڈالی اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حجر اسود کے طور پر ایک کالا پتھر بھی نصب کر دیا گیا۔ یہ سلسلہ کچھ عرصہ چلا لیکن رسول اللہ ﷺ کے بعد جب فارس، خراسان اور ہند فتح ہوئے تو حج کے نام پر یہ میلا بھی اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

ہند کے کچھ باشندوں نے بت پرستی ترک کی اور ایمان لے آئے لیکن جو اپنے آباؤ اجداد کے دین پر قائم رہے انہوں نے حج کے نام پر اپنی سالانہ مذہبی رسم کو پورا کرنے کے لیے اس اجتماع کو اس علاقے میں منتقل کر دیا جہاں جہاں ابھی تک ان کا غلبہ

تھا۔ وقت گزرتا گیا مشرکین کے لیے اس اجتماع میں شامل ہونا مشکل ہوتا گیا آسانی اور سہولت کی خاطر حل یہ نکالا گیا کہ جگہ جگہ حج کے نام پر میلے سجائے جانے لگے اور ہر جگہ فرضی کعبہ تعمیر کیا گیا اس میں بت سجائے گئے جسے مندر کہا جاتا ہے اور انہیں مندروں میں ہجر اسود کے نام پر کالا پتھر بھی نصب کیا گیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ مندر ہر گھر میں منتقل ہوتا چلا گیا اور ہجر اسود کے نام پر کالے پتھر کا سفر اور ترقی بھی جاری رہی اور وہ گھر گھر کی زینت بن گیا۔

ہجر اسود کو سنسکرت میں ”شیولنگ“ کہا جاتا ہے۔

شیولنگ کا اگر عربی میں ترجمہ کیا جائے تو شیو کے معنی ”الجبار القہار“ اور لنگ کے معنی ”آیت“ کے ہیں۔

الجبار القہار کی آیت۔ پھر سنسکرت میں ہی شیولنگ کو ”سنگِ اشوتیا“ کہتے ہیں۔ جس کے معنی ہیں ایسا پتھر جو پہلے بہت زیادہ سفید تھا لیکن اب سفید نہیں۔

اور اب اس کا رنگ سیاہ ہے۔

جیسا کہ آپ درج ذیل تصویر میں دیکھ سکتے ہیں۔





اب اگر ہم رسول اللہ ﷺ کے ان الفاظ پر غور کریں جو رسول اللہ ﷺ نے ہجر اسود کے لیے استعمال کیے تو ہم پر حقیقت اس سے بھی زیادہ کھل کر واضح ہو جاتی ہے۔

**رسول اللہ ﷺ قال: ان كان الحجر الاسود اشد بياضاً من الثلج حتى**

**سودته خطايا بني آدم. طبرانی**

رسول اللہ ﷺ نے کہا اس میں کچھ شک نہیں حجر اسود برف سے بھی بڑھ کر سفید تھا حتیٰ کہ کالا کر دیا اسے بنی آدم کی خطاؤں نے۔

اسی طرح آج ہم جو پنڈتوں کو ایک مخصوص لباس زیب تن کیے ہوئے دیکھتے وہ دراصل احرام باندھا جاتا ہے۔ جیسا کہ درج ذیل تصاویر میں ہے۔



یہ احرام آپ بدھ متوں کو زیب تن کیے ہوئے دیکھ سکتے ہیں۔ بدھ مت کی حقیقت بھی یہی ہے جو برصغیر کے مشرکین کی ہے۔

اسی طرح نیپال میں ایک بہت بڑے مذہبی میلے کا انعقاد کیا جاتا ہے جس میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ قربانی کی غرض سے جانور لیکر آتے ہیں اور سب جانوروں کو ایک کھلے میدان میں لا کر ان کی قربانی کی جاتی ہے۔ اس میلے کو گدیمی کا نام دیا جاتا ہے۔ ان شاء اللہ اگر قدر میں ہوا تو تفصیل تمام مذاہب کی حقیقت پر مبنی کتاب میں درج کروں گا لیکن یہاں اس میلے کا ذکر



کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ میلہ بھی تب شروع ہوا جب ہند کے مشرکین کا مکہ میں داخلہ بند ہو گیا۔ یہ میلہ دراصل حج کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو نیپال میں شروع کیا گیا اور اس کی بنیاد وہی فلسفہ و نظریہ تھی جو عید الاضحیٰ پر قربانی کی جاتی ہے۔ اس میلے کو جانوروں کی قربانی کا دن بھی کہا جاتا ہے۔ اور قربانی کے دن کو بھی رسول اللہ ﷺ نے یوم النحر کہا۔ فرق صرف یہ پیدا کیا گیا کہ اسلام میں اس قربانی کے پیچھے ایک پورا فلسفہ ہے اور مشرکین نے اسے صرف جانوروں کی قربانی پر منطبق کر کے خود کو قربانی سے بچا لیا۔

تصاویر میں دیکھئے۔



Gadhimai festival

مزید تصاویر کے لیے گوگل میں تلاش کریں

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا کہ ہندو، ہندو ازم یا ہندو تو نام کا کوئی دین وجود ہی نہیں رکھتا۔ آپ کسی بھی ایسے پنڈت سے جا کر سوال کریں جو علم رکھنے والا ہے کہ آپ کے دین یا مذہب کا نام کیا ہے۔ تو وہ آپ کو نام بتانے سے قاصر رہے گا۔ البتہ جو الفاظ ان کی آسمانی کتب ویدوں میں ملیں گے ان میں بھی صرف وہی بات کی گئی ہے جو قرآن میں کی گئی۔ کہ تم مسلم ہو۔ مسلم یعنی جس نے خود کو خالق و مالک کے آگے تسلیم خرم کر دیا جس نے خود کو اللہ کی غلامی میں دے دیا نہ کہ مسلم کسی ایک گروہ کا نام ہے جیسا کہ آج ہم سمجھتے ہیں۔

اور اگر پنڈت آپ کو اپنے دین کے بارے میں بتانے کی کوشش کرے گا تو بالکل وہی بتا سکے گا جس سے کھل کر واضح ہو جائے گا کہ یہ تو خود کو اپنے ان الفاظ میں مسلم ہی کہنا چاہ رہا ہے۔ لفظ مسلم کو وہ اس لیے استعمال نہیں کرتے کیونکہ ان کے اذہان میں بھی آج یہ بیٹھ چکا ہے کہ مسلم نام کا ایک الگ کوئی مذہب اور گروہ ہے جو بعد میں وجود میں آیا۔

یہ تھی مختصر وضاحت جس کی روشنی میں ہند کے بت پرستوں کو ہند نہیں کہتا بلکہ مشرکین کہتا ہوں جیسے کہ آج اسلام کے نام پر شرک کی بھرمار ہے۔ اور ہندو میں ہر اس انسان کو کہتا ہوں جو ہند کا باشندہ ہے۔ جسے آج برصغیر کا نام دیا جاتا ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں مشرکین ہند کے نزدیک انتہائی اہمیت کی حامل تاریخی کتاب جو کہ اسلام کی ہی تاریخ پر مبنی اسلامی کتاب ہے جسے میں تبدیلیاں اور رد و بدل کر دی گئی جس کا نام مہا بھارتا ہے۔ اس میں ایک شخصیت کا ذکر ملا جس کا نام بادشاہ ریواٹا بیان کیا گیا جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کی حکومت خشکی کے علاوہ سمندروں میں بھی تھی اور اس کے پاس ایسی سواری تھی جس پر بیٹھ کر وہ ہواؤں میں تیز رفتاری سے سفر کرتا تھا اس کے علاوہ اس وقت اور کسی کے پاس ایسی سواری نہیں تھی۔ اور اس نے پوری زمین کا سفر کیا۔ وہ انتہائی متقی اور عادل بادشاہ تھا اس کا آسمانوں اور زمینوں کے خالق سے بھی رابطہ تھا اور وہ کائنات کے خالق سے بھی ملنے گیا تھا۔ جب وہ واپس آیا تو وہ زمانہ گزر چکا تھا ”یعنی معراج کا ذکر کیا گیا ہے“۔ یہ کتاب عیسیٰ علیہ السلام سے آٹھویں یا نویں صدیاں پہلے لکھی گئی اور اسی دوران ہی یہ شخصیت گزری۔ اور حیران کن طور پر عیسیٰ علیہ السلام سے آٹھ یا نو صدیاں پہلے سلیمان علیہ السلام ہی واحد ایسی شخصیت تھے جن کی حکومت پوری دنیا میں قائم تھی۔ سلیمان علیہ السلام ہی وہ واحد شخصیت تھے جن کے پاس ایسی سواری تھی جس پر وہ ہوا سے تیز رفتار سفر کرتے تھے۔

سلیمان علیہ السلام ہی وہ واحد شخصیت تھی جس نے پوری زمین کا سفر کیا اس کے علاوہ عادل اور متقی ہونے والی شرائط پر بھی سلیمان علیہ السلام پر ہی پوری اترتی ہیں۔ اور عین ممکن ہے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو بھی معراج کا سفر کروایا ہو۔ کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ کے معراج کے سفر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معراج کا سفر اللہ کے قانون میں شامل ہے۔ اور اللہ اپنے قانون کے مطابق ہی کام کرتا ہے جب اللہ کے قانون میں ایسا ممکن ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ کے معراج سے ثابت ہوتا



ہے تو ہو سکتا ہے اللہ سبحان و تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کے علاوہ بھی کسی نبی کو معراج کا سفر کروایا ہو۔  
اس کا ثبوت سورۃ الاسراء ”بنی اسرائیل“ میں بھی موجود ہے۔

**سُبْحَنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ**

**الْاَقْصٰى الَّذِيْ بَرَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا ۚ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ الْاَسْرَء ۙ**

سبحان ہے جو قیدی کو اپنے غلام کے ساتھ ایک ہی رات میں مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کی ارد گرد ہم نے برکت رکھی، دیکھانے کے لیے اسے اپنی آیات سے۔ اس میں کچھ شک نہیں وہی ہے السميع البصير۔

اس آیت میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے یہ کہیں نہیں کہا کہ وہ محمد ﷺ کو لے گیا یا نبی کو لے گیا یا رسول کو لے گیا۔ اگر یہ ہوتا کہ وہ محمد ﷺ کو لے گیا تو اس کا مطلب تھا کہ اللہ کا یہ قانون صرف خاص محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے ان کے علاوہ اور کسی کو بھی معراج نہیں کروایا جاسکتا۔ اور اگر نبی یا رسول کا ذکر ہوتا تو پھر بھی یہ تھا کہ یہ قانون خاص ہے انبیاء اور رسولوں کے لیے۔ لیکن

یہاں اللہ سبحان و تعالیٰ نے دو الفاظ کا استعمال کیا ایک **اَسْرٰى** جس کے معنی قیدی کے ہیں اور دوسرا **بِعَبْدِهٖ** جس کے معنی اپنے غلام کیساتھ کے ہیں۔ مزید تفصیل بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں موضوع کے اعتبار سے اتنا ہی کافی ہے۔ کہ اللہ سبحان و تعالیٰ کا معراج کروانے کا قانون اپنے ان غلاموں کے لیے ہے جو اللہ کے اس قانون پر مکمل پورا اترتے ہیں۔ اب اگر کوئی انسان اللہ سبحان و تعالیٰ کی ان شرائط پر پورا اترتا ہے تو پھر اگر اللہ چاہیں تو اسے معراج کروائیں۔ اور انبیاء تو اللہ کی ان شرائط پر بالکل پورا اترتے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ اللہ ہی کو علم ہے کہ اس نے کتنے انبیاء کو معراج کا سفر کروایا اپنی آیات دیکھانے کے لیے۔

اور جب سلیمان علیہ السلام کے علم کو دیکھا جائے تو جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ کہ سلیمان علیہ السلام اللہ کے ایسے غلام تھے جو اللہ کی کثیر آیات کا علم رکھنے والے تھے۔ بہر حال یہ کوئی اہل علم ہی جان سکتا ہے۔

مشرکین ہند جنہیں ہندو کہا جاتا ہے کی کتاب میں اس شخصیت کے معراج کے سفر کا ذکر ہونا بھی سلیمان علیہ السلام پر صادق آتا ہے۔ ابھی تک جو بات ہوئی یہ ہمارے لیے کوئی ایسی دلیل نہیں ہے کہ جس کی بنیاد پر ہم یہ فیصلہ کریں کہ سلیمان علیہ



السلام ہی ذالقرنین تھے۔ مگر اسے بیان کرنے کا مقصد صرف اور صرف یہی تھا کہ جن لوگوں نے سکندر اعظم یونانی جو کہ آتش پرست مشرک تھا اور سائرس ایرانی جس کی حکومت پوری زمین کے بیسیوں حصے سے بھی کم بنتی ہے کسی بھی صورت ذالقرنین نہیں ہو سکتے۔ ان کے مقابلے میں مہابھارتا میں مذکور شخصیت جو کہ ایک نبی بھی تھے اور پوری دنیا پر عادل اور متقی حکمران، ذالقرنین ہو سکتے ہیں۔

ذالقرنین کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ قرآن میں اس قصے کا شان نزول یہودیوں کے تین سوالات تھے جن میں اصحاب کہف، روح اور ذالقرنین کے حوالے سے تھے اور انہی سوالات کے جوابات کے ضمن میں سورۃ الکہف نازل ہوئی۔ یہ جو شان نزول اس سورۃ کے نزول سے منسوب کیا جاتا ہے اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ جن میں سب سے پہلا اصحاب کہف کے بارے میں ہے۔ یہودیوں کی پوری تاریخ اور مذہبی مواد اصحاب الکہف کے حوالے سے مکمل خاموش ہے اور وہ اصحاب کہف کے حوالے سے کسی بھی واقعہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے بلکہ یوں کہتے ہیں کہ یہ من گھڑت قصہ ہے۔ البتہ اصحاب کہف نصاریٰ کے مذہبی مواد میں ملتا ہے اور اسے ایک بڑی تاریخی اور مذہبی اہمیت حاصل ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہودیوں کے نزدیک ایسا کوئی واقعہ پیش ہی نہیں آیا تو وہ اس کا سوال کیونکر کریں گے؟ دوسری بات یہ کہ اصحاب الکہف کا واقعہ عیسیٰ علیہ السلام کے کافی عرصہ بعد میں رونما ہوا۔ سات نو جوان جو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اس وقت یہودیوں کی حکومت تھی ان سات نو جوانوں پر زمین تنگ کر دی گئی اور انہیں دین کی خاطر ہجرت کرنا پڑی لیکن جب کوئی بھی جائے پناہ نہ پائی تو اللہ سے خالص اپنی طرف سے حفاظت کرنے کی دعا کی اور اللہ نے ان کی حفاظت کی۔ یہ واقعہ یہودیت کی بنیاد ہلا دینے کے لیے کافی تھا اس لیے یہود ایسے کسی واقعہ کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتے۔ کیونکہ انہیں علم ہے کہ اگر وہ اسے تسلیم کریں گے تو یہودیت باطل ثابت ہو جائے گی اس لیے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ یہودی اصحاب الکہف کے بارے میں سوال کریں جب کہ وہ خود اس واقعہ کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ بلکہ یہودی کے نزدیک تو ایسا کوئی واقعہ وجود ہی نہیں رکھتا۔

دوسرا سوال روح کے بارے میں تھا۔ اور اس کے جواب میں سورۃ الکہف نازل ہوئی لیکن ہم جانتے ہیں کہ روح کے بارے میں تو سورۃ الکہف بالکل خاموش ہے اور روح کا ذکر تو سورۃ بنی اسرائیل میں ہے۔ اور سورۃ بنی اسرائیل میں روح کا ذکر آنا ہی اس کا جواب ہے کہ روح کے بارے میں سوال بنی اسرائیل کا تھا۔ اور بنی اسرائیل صرف یہود نہیں بلکہ وہ بھی ہیں جو بعد میں عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور ضل ہونے کے بعد نصاریٰ کہلوائے۔ اور روح عیسائیت میں شروع سے ہی موضوع بحث

رہی عیسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے اور روح کے بارے میں سوال نصاریٰ کی طرف سے تو ہو سکتا تھا لیکن یہودی کی طرف سے ہرگز نہیں۔

اب آتے ہیں تیسرے سوال کی طرف جو ہمارے موضوع کا حصہ ہے۔ کہ ذالقرنین کے بارے میں سوال بھی یہودیوں کی طرف سے تھا۔ جس پس منظر کی بنیاد پر یہ کہا جاتا ہے کہ یہودیوں نے سوال کیا اس پس منظر میں ایسا کوئی اثر نہیں ملتا کہ یہودی ایسا کوئی سوال کر سکتے تھے اس لیے کہ یہودیوں کے پورے مذہبی اور تاریخی مواد میں ذالقرنین کے حوالے سے کوئی دور دور تک اشارہ نہیں ہے۔ نہ ہی ایسا کوئی نام یہودیوں کے ہاں کوئی وجود رکھتا تھا۔

لیکن اگر دوسرے پس منظر میں دیکھیں تو یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ذالقرنین کے بارے میں سوال یہودیوں نے ہی کیا ہوگا۔ وہ اس لیے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ذالقرنین سلیمان علیہ السلام ہی تھے تو یہودیوں کا سلیمان علیہ السلام کے بارے میں عقیدہ ہے کہ وہ ایک تو نبی نہیں تھے اور دوسرا ان کی موت شرک پر ہوئی۔ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری وقت میں بہت سے بت بنا لیے تھے جن کی وہ پرستش کرتے تھے اور اسی حالت میں ان کی موت ہوئی اس کے علاوہ سینکڑوں کی تعداد میں انہوں نے بغیر نکاح کے عورتیں رکھی ہوئی تھی جو سینکڑوں بیویوں کے علاوہ تھیں۔ اس لیے سلیمان علیہ السلام یہودیوں کے ہاں ایک متنازعہ شخصیت کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ اور سلیمان علیہ السلام کے کفر و شرک کی گواہی یہودیوں کے صرف کسی عالم وغیرہ کا عقیدہ نہیں بلکہ باقاعدہ ان کی آسمانی کتاب جو کہ عہد نامہ قدیم میں ہے میں درج ہے۔ اور عہد نامہ قدیم کی آسمانی کتابیں جتنی یہودیوں کے لیے مقدس ہیں اتنی ہی نصاریٰ کے لیے بھی۔ یوں نہ صرف یہودی بلکہ عیسائی بھی سلیمان علیہ السلام کے بارے میں یہی نظریہ رکھتے ہیں۔ لیکن عیسائیوں کے ہاں آخری حجت عہد نامہ جدید یعنی انجیل ہے اس لیے وہ پرانے عہد نامے میں تحریف وغیرہ کو ممکن سمجھتے ہیں۔ اس لیے اگر کوئی بات پرانے عہد نامے میں موجود ہو اور اس کے برعکس کوئی بات کہیں سے معلوم ہو تو کوشش کرتے ہیں کہ آنکھیں بند کر کے پرانے عہد نامے کو تسلیم کرنے کی بجائے تحقیق کی جائے۔ لیکن یہود اس بات کو سننے کے لیے بھی تیار نہیں کہ عہد نامہ قدیم میں کوئی تبدیلی یا تحریف ہے اور وہ کسی ایسی بات کو تسلیم کریں جو عہد نامہ قدیم کے مخالف ہو یہ یہودیوں کے عقائد کی نفی تصور کیا جاتا ہے۔ پھر یہ سمجھنا کہ یہودی ایسا سوال کریں گے یہ بالکل بے بنیاد ہو جاتا ہے۔ البتہ جب رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کیا گیا تو قرآن میں سلیمان علیہ السلام کے بارے میں جو کہا گیا

وَاتَّبِعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطَانُ عَلَىٰ مُلْكٍ سَلِيمٍ ۖ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٌ وَلَكِنَّ

## الشَّيْطَانُ كَفَرُوا . البقرة ۱۰۲

اور وہ اتباع کرتے تھے جو تلاوت کرتے تھے شیاطین سلیمان علیہ السلام کے ملک پر (یعنی ایک وقت آیا تھا کہ سلیمان علیہ السلام کی سلطنت میں بہت سے ایسے کام ہوئے جو کہ کفر تھا یعنی اللہ سبحان و تعالیٰ نے جو علم و وسائل دیئے تھے انہیں دنیاوی مقاصد کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ ٹیکنالوجی بنا کر دنیا میں سہولتوں کی خاطر استعمال کی جانے لگی یعنی جیسے آج گاڑیاں اور سائنسی طریقے سے بنائے گئے بیج اور اگائی جانے والی فصلیں ہیں یہ سب کیا جانے لگا جو کہ کفر تھا اور سلیمان علیہ السلام کی سلطنت میں یہ سب ہو رہا تھا لیکن اس وقت تک سلیمان علیہ السلام پر اس ٹیکنالوجی کا دجلہ واضح نہیں تھا اور یہ سلیمان علیہ السلام کے لیے اللہ کی طرف سے ایک آزمائش تھی جس میں وہ کامیاب ہوئے لیکن یہود نے کہا کہ یہ کفر سلیمان علیہ السلام نے کیا کہ سلیمان علیہ السلام نے ٹیکنالوجی بنائی اور جینیٹیکل موڈیفائی فصلیں وغیرہ اگائیں جیسے آج دنیا میں ہو رہا تھا لیکن اللہ سبحان و تعالیٰ نے یہودیوں کے اس اعتراض اور بہتان کا جواب دے دیا)

اور انہیں کفر کیا سلیمان علیہ السلام نے بلکہ کفر کیا شیاطین نے۔

یہ وہ شیاطین تھے جو سلیمان علیہ السلام کی سلطنت میں یہ سب کچھ کر رہے تھے نہ کہ یہ سلیمان علیہ السلام کر رہے تھے لیکن جب سلیمان علیہ السلام پر اللہ سبحان و تعالیٰ کی طرف سے حقیقت واضح ہوئی تو تب ہی سلیمان علیہ السلام نے اللہ سبحان و تعالیٰ سے ملک عظیم کی دعا کی تاکہ وہ دنیا کو اس دجلہ سے پاک کر دیں جس کی وضاحت آگے آئے گی۔

یہ یہودیوں کے عقائد و نظریات کی سرے سے نفی تھی یوں قرآن نے سلیمان علیہ السلام کے بارے میں یہودیوں کے الزامات کو باطل قرار دیا۔ تب اس وقت کے نصاریٰ نے ممکن ہے سوال کیا ہو۔ اور تینوں سوالات ہی نصاریٰ کی طرف سے ممکن طور پر کیے گئے۔

اور جواب میں اللہ نے قرآن میں نام سلیمان کی بجائے ذالقرنین استعمال کیا جس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ قرآن قیامت تک کے لیے ہدایت ہے اس لیے اللہ سبحان و تعالیٰ نے قرآن میں ہر بات کو اس طرح بیان کیا کہ وہ وقت کے احاطے سے آزاد ہوگئی اور ہر وقت کے لیے ہدایت کا ذریعہ بن گئی۔ یعنی واقعہ جو بھی ہوا اس وقت کے لوگوں نے جو بھی الفاظ استعمال کیے وہ اپنی جگہ الگ لیکن قرآن میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے تمام واقعات کو اپنی طرف سے الفاظ کا استعمال کر کے بیان کیے ہیں اسی لیے قرآن قیامت تک کے لیے ہدایت ہے۔

دوسری بات یہ کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے قرآن میں جس کو بھی پکارا اسے اس کی صفات سے پکارا نہ کہ کنیت سے جسے عرف عام میں نام کہا جاتا ہے الا یہ کہ جہاں صفاتی اسم سے پکارنا لازم نہ ہو اور اس کی وضاحت کتاب میں مہدی کے باب میں ان شاء اللہ آئے گی۔ تیسری بات یہ کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے اسی طرح آیات کو بند کر دیا اور انہیں پرکھولیں گے جو اللہ کے قائم کردہ معیار پر پورے اتریں گے۔ جس کے لیے ایک شرط تو پیچھے ہی گزر چکی کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے کچھ بھی نہیں چھوڑا سب کا سب قرآن میں بیان کر دیا۔ اب اگر کوئی انسان کسی سوال کے جواب یا کسی مسئلے کے حل کے لیے اللہ کی کتاب کے علاوہ کسی اور طرف رجوع کرتا ہے تو اس پر اللہ سبحان و تعالیٰ قرآن کو نہیں کھولیں گے۔ اس لیے اللہ سبحان و تعالیٰ نے قرآن میں ہر معاملے کو اسی طرح بیان کر دیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ذالقرنین ان دور کا وٹوں کے درمیان کیوں پہنچے؟ اس کا جواب غور و فکر کرنے والوں کے لیے بالکل واضح ہے کہ جب اللہ سبحان و تعالیٰ اپنے ایک غلام کو زمین میں حکومت دیں تو وہ کس مقصد کے لیے دیتے ہیں اور اللہ کا وہ غلام کیا کرتا ہے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ اس لیے حکومت دیتے ہیں زمین میں تاکہ صلاۃ قائم کی جائے اور یہی اس حاکم کا مقصد ہوتا ہے۔

الَّذِينَ اِنْ مَّكَّنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَامَرُوا  
بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُورِ . الحج ۴۱

ایسے کہ ہم انہیں اختیار، حکومت دیتے ہیں زمین میں کیا قائم کرتے ہیں صلاۃ اور زکاۃ دیتے ہیں اور امر کرتے ہیں معروف کیساتھ اور روکتے ہیں جس سے رکنے کا حکم دیا گیا یعنی ان کاموں سے منع کرتے ہیں جن کے کرنے سے منع کیا گیا اور اللہ کے لیے ہے تمام امور کا انجام۔ یعنی ایسا نہیں کہ اللہ سبحان و تعالیٰ تمہیں زمین میں حکومت دیکر بھول گئے ہیں بلکہ ہر امر کا انجام اللہ کے لیے ہوتا ہے یعنی اللہ کے امر اللہ کی طرف پلٹنے سے پہلے تک تو تمہیں ایسا لگے گا کہ تمہیں کوئی زوال نہیں مگر وہ اللہ کی طرف سے ہی اللہ کے قانون کے مطابق ہی ہوتا ہے اور جیسے ہی امر اللہ کی طرف پلٹتا ہے یعنی نتیجہ نکلتا ہے تو وہ نتیجہ تمہارے خلاف نکلے گا جو تمہیں دنیا و آخرت میں ہلاکت میں ڈال دے گا۔

وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودٌ. الحج ۴۲

اور اگر تم بھی کذب کرو گے یعنی زمین میں اختیار ملنے کے بعد صلاۃ قائم نہیں کرو گے تو پس تحقیق یعنی اپنی طرف سے پوری تحقیق کر لو اپنے گھوڑے دوڑاؤ تکذیب کی جا چکی تم سے پہلے بھی یعنی تم سے پہلے بھی ایسے ہو چکا ہے کہ ہم نے زمین میں اختیار دیا کہ وہ صلاۃ قائم کریں مگر انہوں نے صلاۃ قائم نہیں کی بلکہ الٹا فساد کیا تم سے پہلے قوم نوح نے اور قوم عاد نے اور قوم ثمود نے۔

وَقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمِ لُوطٍ. الحج ۴۳

اور قوم ابراہیم نے اور قوم لوط نے۔

اسی طرح آگے آل فرعون کا بھی ذکر ہے۔ کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے آل فرعون کو بھی اسی مقصد کے لیے زمین میں اختیار دیا تھا مگر انہوں نے صلاۃ قائم کرنے کی بجائے فساد کیا۔

صلاۃ کا مادہ صل ہے اور اس کی ضد فسد ہے جس سے فساد بنا ہے۔ صلاۃ وہاں قائم کی جاتی ہے جہاں فساد ہو یا فساد کا اندیشہ ہو۔ اس لیے اللہ کا ایسا غلام جسے اللہ زمین پر اختیار دیں اور وہ زمین کو فساد سے پاک نہ کرے ایسا ناممکن ہے۔ ذالقرنین بھی اللہ کے ایسے ہی غلام تھے جو ہر وقت اسی تگ و دو میں رہتے تھے کہ زمین میں کہیں فساد تو نہیں اگر ہے تو اس کا سد باب یعنی اس کی اصلاح کرنے کے لیے اقدامات کرتے یا بذات خود پہنچ جاتے۔ اور ذالقرنین ان دور کا وٹوں کے درمیان کیا کرنے گئے تھے یہ ہم پر اللہ کی کتاب واضح کر دیتی ہے اور اس کے علاوہ اس کا جواب تو قرآن نے یہیں دے دیا کہ وہاں جو قوم آباد تھی وہ یاجوج اور ماجوج کے فساد کا شکار تھی اور اس قوم کو یا جوج اور ماجوج کے فساد سے نجات دلانا مقصود تھا۔ جس کی خاطر ذالقرنین وہاں پہنچے۔

لیکن اب ایک دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مقام پر اس قوم کی یا اس فساد کی خبر ذالقرنین تک کیسے پہنچی؟

یہ ایسا سوال ہے جو غور و فکر کرنے والوں کے لیے ذالقرنین کی حقیقت کو واضح کر دیتا ہے۔

کیا ذالقرنین بغیر کسی خبر کے گھومتے پھرتے وہاں پہنچے اور انہوں نے اس قوم کو پایا جوج اور ماجوج کے فساد کا شکار تھی؟



اس کا جواب تو قرآن پہلے ہی واضح کر دیتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ ان کے پاس پہلے ہی اس کی خبر پہنچ چکی تھی اور اس خبر کی بنیاد پر وہ ان دور کاؤٹوں کے درمیان پہنچے۔

ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا. الکھف ۹۲

پھر اس نے اتباع کی اسباب کی

اتباع کہتے ہیں کسی کے پیچھے چلنا خواہ وہ علمی طور پر یا عملی و فعلی طور پر۔ اسے ہم قرآن سے ہی سمجھ لیتے ہیں۔

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطَانُ. البقرة ۱۰۲

اور وہ اس کے پیچھے چلتے تھے جو تلاوت کرتے تھے شیاطین۔

وَاتَّبَعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ. یونس ۱۰۹

اور پیچھے چل اس کے جو وحی کیا جاتا ہے تیری طرف

ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ. آل عمران ۴۴

یہ نبی یعنی خبر ہے غیب سے (یعنی جو تم سے چھپا ہوا ہے اس سے) ہم وحی کرتے ہیں تیری طرف۔

ان کے علاوہ قرآن میں درجنوں آیات ہیں جنہیں آپ دیکھ سکتے ہیں ہم نے صرف بات کو سمجھنے کے لیے ان آیات کو سامنے رکھا۔ اتباع خبر کی بھی کی جاتی ہے۔ یعنی کہیں سے خبر ملی اور اس پر عمل کرتے ہوئے اس کے پیچھے چل پڑنا۔ تلاوت کی بھی اتباع کی جاتی ہے اور تلاوت کہتے ہیں پڑھ کر سنانا یا بتانا، سننے والے کا سن کر اس کے پیچھے چلنا یعنی اس پر عمل کرنا اتباع کہلاتا ہے۔ اگر کسی کو کوئی عمل کرتے دیکھنا اور دیکھ کر اسی کی طرح عمل کرنا اس کے پیچھے چلنا یعنی اتباع کرنا کہلاتا ہے۔ یعنی کسی بھی

لحاظ سے کسی کے پیچھے چلنا اتباع کرنا کہلاتا ہے۔

اس لیے یہ کہنا یا سمجھنا کہ ذالقرنین علیہ السلام گھومتے پھرتے اس مقام تک پہنچے تو قرآن پہلے ہی اس نظریے کی نفی کر دیتا ہے۔ کیونکہ قرآن اس موقع پر کہہ رہا ہے کہ ذالقرنین نے اتباع کی اسباب کی۔ اور وہ اسباب جو اللہ نے ذالقرنین کو دیئے ہوئے تھے۔ اور اسباب کہتے ہیں مادی وغیر مادی وسائل کو۔ جب اسباب کی اتباع کی تو اس کا مطلب ہے کہ جو بھی اسباب تھے ان کے ذریعے پہلے ذالقرنین علیہ السلام تک اس قوم کی خبر پہنچی جس کی اتباع کرتے ہوئے وہ دور کاوٹوں کے درمیان پہنچے۔

اب ایسا بھی ممکن نہیں کہ کسی انسان کے ذریعے ذالقرنین تک اس قوم کی خبر پہنچی ہو۔ کیونکہ قرآن اس مقام پر جو الفاظ استعمال کر رہا ہے وہ یہ واضح کر رہے ہیں کہ اس فساد کی خبر ذالقرنین تک پہنچنے کا ذریعہ کوئی انسان نہیں تھا بلکہ کوئی اور ذریعہ تھا۔ کیونکہ ذالقرنین ہی تھے جو ان کی بات سمجھ پائے ان کے علاوہ کوئی اور ان کی بات سمجھنے کے قابل نہیں تھا۔

**لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلَ . الكهف ۹۳**

**وہ قریب بھی نہ تھے بات سمجھنے کے۔**

جب ایسا تھا تو پھر ذالقرنین علیہ السلام کو ان کے ساتھ آسانی سے بات کرنا نہ صرف بات کرنا بلکہ ان کی بات کو سمجھا اور انہیں اپنی بات کو سمجھایا جس کے لیے ذالقرنین علیہ السلام کو کوئی مشکل نہ ہوئی۔

اب جب ہم قرآن سے ان سوالات کے جوابات کے لیے رجوع کریں کہ کون سی ایسی شخصیت تھی جس کو اللہ سبحان و تعالیٰ نے زمین کے مشرق و مغرب تک حکومت دی ہوئی تھی اور ہر شے کے اسباب بھی دیئے ہوئے تھے بلخصوص ایسے اسباب جو کسی بھی خبر کے حصول کا ذریعہ ہوں اور کون سی ایسی شخصیت تھی جو ان زبانوں میں بات کرنے، سمجھنے اور سمجھانے کی صلاحیت رکھتی تھی جو کسی اور کے بس سے باہر تھا تو ایسا ممکن ہی نہیں کہ قرآن ان سوالات کے جوابات نہ دے۔ ہم نے شروع میں جان لیا کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے کہا کہ اس قرآن میں سب کچھ بیان کر دیا ہر طرف سے پھیر پھیر کر۔

تو یہاں جس شخصیت کا اللہ سبحان و تعالیٰ پھیر کر ایک رخ بیان کر رہے ہیں تو ضرور کسی دوسرے مقام پر اسی شخصیت کو پھیر کر اس کے دوسرے رخ کو بیان کیا ہوگا۔ اگر یہاں اس کے ایک رخ کو دیکھا یا تو ضرور کسی دوسرے مقام پر اس کے دوسرے



رخ کو دیکھایا ہوگا۔ اب یہ ہم پر منحصر ہے کہ آیا ہم اس شخصیت کے ان تمام پہلوؤں کو جو اللہ نے پھیر پھیر کر بیان کیے یکجا کر کے اس شخصیت تک پہنچتے ہیں یا نہیں۔  
تو قرآن میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے اس کا جواب یوں دیا۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ ۖ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ . النمل ۲۰

اور پس پردہ کچھ عوام کی وجہ سے پس تحقیق کی فضاء میں تیرنے والوں کی پس کہا کیا ہے اس کے لیے کہ نہیں دیکھتا میں ہد کو یا وہ تھا غائبین سے یعنی ان سے جو سامنے نہیں ہیں۔

لَا عَذْبَنَهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَا أَذْبَحْنَهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِي بِسُلْطَنٍ مُّبِينٍ . النمل ۲۱

اس کو سزا دیں گے ہم شدید سزا یا اس کو ہم ذبح کر دیں گے یا ہمارے لیے لانی پڑے گی اسے کوئی کھلم کھلا دلیل

فَمَكَتْ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بَنِيًّا

يَقِينٍ . النمل ۲۲

پس آ حاضر ہوا زیادہ دیر نہ گزری پس کہا احاطہ کیا میں نے اس کا نہیں جس کا احاطہ آپ کو اور میں لایا ہوں تیرے لیے سب سے یقین کے ساتھ خبر۔

سبحان اللہ و تعالیٰ، اللہ اکبر۔

اللہ سبحان و تعالیٰ نے اس مقام پر کیا ہی کھول کر بیان کر دیا کہ سلیمان علیہ السلام نے کسی وجہ سے پرندوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا اور وہ وجہ کیا تھی اس کا جواب بھی آگے آگیا۔ کہ جب ہد کو غائب پایا اور تھوڑا ہی وقت گزرا کہ ہد آ گیا اور ساتھ ایک خبر لے کر آیا۔ جس سے یہ بھی جواب مل گیا کہ سلیمان علیہ السلام پرندوں کو کیوں جمع کر کے ان سے گفتگو کرتے تھے۔ یعنی

پرندے سلیمان علیہ السلام کا ایسا منظم نیٹ ورک تھا اللہ کا دیا ہوا جو پوری دنیا سے جہاں بھی اللہ کا دین قائم نہیں یا جہاں بھی کوئی فساد یا اللہ کے علاوہ کسی اور کی غلامی کی جارہی ہے اس کے لیے خبریں لایا کرتے تھے۔ اور پھر آگے آنے والی آیات یہ بھی واضح کر دیتی ہیں کہ پھر سلیمان علیہ السلام نے ہدہ کی خبر پر عمل کرتے ہوئے ملکہ سبا کو خط بھیجا اور اسے اللہ کا غلام بنایا یعنی اللہ کے دیئے ہوئے اسباب کے ذریعے حاصل ہونے والی خبر کی اتباع کی۔

اب جب ہم غور کریں کہ سورۃ الکہف میں اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ

**إِنَّا مَكْنَأُ لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا. فَاتَّبَعَ سَبَبًا. الْكَهْفِ**

۸۵، ۸۴

اس میں کچھ شک نہیں ہم نے اختیار دیا تھا اس کو زمین میں اور دیا تھا اسے تمام کی تمام اشیاء سے اسباب۔ پس اس نے اتباع کی اسباب کی۔

اور سورۃ النمل میں پیچھے بیان کردہ آیات میں جب ہم غور کریں تو پرندے اللہ کے دیئے ہوئے اسباب تھے اور سلیمان علیہ السلام کو یہ اسباب دیئے نہ صرف پرندے بلکہ زمین میں جتنی بھی اشیاء ہیں تمام کی تمام اشیاء سے اللہ نے انہیں اسباب دیئے ہوئے تھے۔ اور انہوں نے اسباب کی اتباع کی۔ اور یہ واحد سلیمان علیہ السلام ہی تھے جو اللہ کی دی ہوئی ان اشیاء جو خبر کے اسباب بھی تھے کی اتباع کرتے ہوئے زمین کی اصلاح کرتے تھے۔ فساد کو ختم کرتے تھے۔

جن ’سدین‘ یعنی دور کاوٹوں کے درمیان پہنچنے کا ذکر ہے جہاں صدقین کو بند کیا یعنی دو چٹانوں کے درمیان درے کو بند کیا جہاں ذالقرنین علیہ السلام پہنچے وہ یقینی طور پر دو چٹان نما پہاڑی سلسلے تھے جن کے درمیان ایک درہ تھا جس کی وضاحت ان شاء اللہ صراحت کیسا تھ آگے آئے گی۔ بہر حال ایک ایسے وقت میں جب کہ دنیا میں کوئی موجودہ جدید وسائل نہ تھے زمین پر ایسے مقام پر کسی کی خبر لانا جو پہاڑی سلسلوں میں گرا ہوا ہے یہ ناممکن حد تک مشکل تھا۔ اس کے لیے غیر معمولی وسائل کا ہونا بہت ضروری ہے جیسے کہ موجودہ دور میں رابطہ کاری کا نظام ہے جو کہ اس وقت نہیں تھے اس کی صراحت بھی قرآن میں سورۃ الکہف میں ذالقرنین کے واقعہ سے ثابت ہوتی ہے۔ تو پھر ایسے مقام سے کون خبر لاسکتا تھا۔ اس کے لیے صرف اور صرف

ایسی مخلوق ہو سکتی ہے جس کی زمین کے ہر خطے تک رسائی ہو اور وہ اللہ کے خلق کیے ہوئے لاتعداد اقسام کے پرندے ہیں۔ جب اس وقت صرف یہی ایک ذریعہ ایسی خبر کا سبب بن سکتا تھا تو یہی ذریعہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو عطا کیا ہوا تھا اور وہ باقاعدہ زمین سے اس قسم کی خبریں بھی لاتے تھے۔ اس لیے ذالقرنین علیہ السلام کوئی اور نہیں بلکہ سلیمان علیہ السلام تھے۔

اب اگر بات کریں کہ ذالقرنین علیہ السلام نے ایک ایسی قوم سے بغیر کسی مشکل سے گفتگو کی جو اپنے علاوہ کسی بھی اور قوم کی زبان سمجھنے سے قاصر تھے نہ صرف کوئی اور زبان سمجھنے سے قاصر تھے بلکہ ان کو کسی بھی طریقے یعنی اشاروں سے بھی سمجھانا ناممکنات میں سے تھا۔

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ  
قَوْلًا . الكهف ۹۳

یہاں تک کہ پہنچا ”سدین“ یعنی دو رکاوٹوں کے درمیان پایا وہاں ان سے علاوہ جو ایک قوم تھی نہیں تھی قریب بھی کہ وہ کوئی بات سمجھ سکتی

اس کا جواب اللہ سبحان و تعالیٰ قرآن میں یوں دیتے ہیں۔

حَتَّىٰ إِذَا اتَوْا عَلَىٰ وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسْكِنَكُمْ  
لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمُنُ وَجُنُودُهُ ۖ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ . النمل ۷۱

یہاں تک کہ جب آئے چیونٹیوں کی وادی پر تو کہا ایک چیونٹی نے اے چیونٹیو داخل ہو جاؤ اپنے مساکن میں نہ تمہیں کچل دے سلیمان اور اس کی فوج اور انہیں اس کا شعور ہی نہ ہو

فَتَبَسَّمْ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي  
 أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي  
 بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ. النمل ۱۹

پس اس وجہ سے ساتھ اس کے اسم سے ہنسنا اس کی بات سے اور کہا اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیری  
 نعمتوں کا استعمال اس مقصد کے لیے کروں جس مقصد کے لیے تو نے عطا کیں جو نعمتیں کیں مجھ پر اور میرے والد  
 پر اور کہ میں کام کروں اصلاح کرنے والے جن کے ذریعے سے تو راضی ہو جائے اور داخل کرے مجھے اپنی رحمہ  
 کے ساتھ اپنے غلاموں میں جو اصلاح کرنے والے ہیں۔

ان آیات میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کا چیونٹیوں کی بات کو سمجھنے کا ذکر کرنے سے یہ واضح کر دیا کہ اللہ سبحانہ  
 و تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو ایسے اسباب بھی دیئے ہوئے تھے جن سے وہ مخلوقات میں سے کسی کی بھی زبان کو سمجھنے کی  
 صلاحیت رکھتے تھے۔ اور یہ بات بالکل واضح کرتی ہے کہ ایک ایسی قوم کی بات سمجھنا اور انہیں سمجھانا جو کسی کی بات سمجھنے کے  
 قریب بھی نہ تھے وہ ذالقرنین کے لیے کیسے ممکن تھا۔ اس کا جواب اس آیت میں بالکل واضح ہے۔ ایک تو سلیمان علیہ السلام  
 کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ایسے اسباب دیئے تھے جن سے وہ چیونٹیوں کی بات کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور دوسرا یہ کہ  
 چیونٹیوں کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اتنی صلاحیت دی ہوئی ہے کہ وہ انسان کے اعمال کو دیکھنے، سمجھنے اور ان کے رد عمل کو جاننے پر  
 قادر ہیں۔

اس لیے جب ذالقرنین علیہ السلام جب وہاں پہنچے اور ان سے بات کرنے کی کوشش کی تو تو کسی بھی بات کو سمجھنے کے قریب  
 بھی نہ تھے اور چیونٹیاں جو کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے پوری روئے ارضی پر موجود ہیں تو اس وقت چیونٹیاں ہی ایسی مخلوق تھیں جو  
 وہاں موجود انسانوں کے اعمال کو نہ صرف دیکھ رہی تھیں بلکہ ان کے نتائج اور ان کے رد عمل کو بھی جانتی تھیں۔ اور ذالقرنین  
 علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام ہی تھے جنہوں نے اس وقت چیونٹیوں کے ذریعے ان کی بات کو سمجھا۔ چیونٹیوں کے ذریعے ان  
 کی مشکل سے آگاہ ہوئے کیونکہ اس وقت چیونٹیاں ہی تھیں جو وہاں کے انسانوں کے حالات کی پوری خبر رکھتی تھیں۔ یا اس  
 کے علاوہ سلیمان علیہ السلام کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے پرندوں کی بولیوں کا بھی علم دیا ہوا تھا تو یہ بھی ممکن ہے کہ پرندوں کے

ذریعے ان کی بات سمجھی اور انہیں سمجھائی ہو۔ اور اگر یہ تسلیم نہ بھی کیا جائے حالانکہ قرآن تو یہی جواب دے رہا ہے ورنہ چیونٹیوں کے واقعے کا ذکر کرنے کا اللہ کا اور کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ بہر حال پھر بھی اگر یہ بات ناقابل تسلیم ہو کہ چیونٹیوں کے ذریعے ذالقرنین علیہ السلام ان کی بات سمجھے تو اس سے اس میں کچھ شک نہیں کہ جو انسان چیونٹیوں اور پرندوں کی بات سمجھنے پر قادر ہو اس کے لیے کسی انسان کی زبان پر مہارت رکھنا کیونکر مشکل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ سلیمان علیہ السلام ہی وہ واحد شخصیت تھے جنہیں اللہ سبحان و تعالیٰ نے نہ صرف چیونٹیوں بلکہ تمام جانداروں کی زبانیں سمجھنے اور انہیں سمجھانے کے اسباب عطا کیے ہوئے تھے۔

یقیناً نہ صرف اس کا جواب ہے کہ صرف سلیمان علیہ السلام ہی ذالقرنین تھے بلکہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے ایک سے زائد مقامات پر ایک ہی شخصیت کو مختلف اطراف سے پھر پھر کر بیان کیا۔ جو کہ سلیمان علیہ السلام ہی تھے۔

پھر دیکھیں قرآن کا انداز کہ خود ہی سوال کرتا ہے اور خود ہی اس کا جواب بھی دیتا ہے۔

**إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا. الكهف ۸۴**

اس میں کچھ شک نہیں ہم نے اختیار دیا تھا اس کو زمین میں اور دیئے تھے اسے تمام کی تمام اشیاء سے اسباب۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ شخصیت تھی کون؟ کیونکہ دنیا کی تمام تاریخی کتب، مذہبی مواد اور تمام آسمانی کتابیں ذالقرنین نام سے خاموش ہیں۔ اگر قرآن لفظ ذالقرنین کا استعمال کرتا ہے تو آخر ذالقرنین کون سی شخصیت تھی؟ دنیا والے اسے کس نام سے جانتے تھے؟ اب یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ سبحان و تعالیٰ کسی ایسی شخصیت کا ذکر کر رہے ہیں جس کے ذکر کا کوئی مقصد نہ ہو جو بے فائدہ و بے معنی ہو۔ یہ تو اللہ کی سنت اور اس کے قانون کے ہی خلاف ہے۔ اس لیے ذالقرنین کوئی بہت ہی اہم شخصیت تھی اور آج موجودہ دور کے ساتھ بھی اس کا کوئی نہ کوئی گہرا تعلق ضرور ہے جس لیے قرآن میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے ذکر کیا۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ ذِي الْقُرْنَيْنِ ط قُلْ سَأَتْلُوا عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا. الكهف ٨٣

اور سوال کرتے ہیں تجھ سے ذی القرنین کے بارے کہو میں تلاوہ کرتا ہوں تم پر اس سے ذکر

اس آیت میں قرآن سوال اٹھاتا ہے کہ ذی القرنین کون ہیں اور ساتھ ہی قرآن اس کا جواب دینے کا بھی کہہ رہا ہے۔  
اگلی ہی آیت میں قرآن اس کا جواب بھی دیتا ہے۔

إِنَّا مَكِّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ الكهف ٨٤

اس میں کچھ شک نہیں اختیار یعنی حکومت دی تھی اسے زمین میں۔

یعنی ذی القرنین علیہ السلام وہ شخصیت ہیں جنہیں اللہ سبحان و تعالیٰ نے زمین میں حکومت دی تھی۔ لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس شخصیت کا نام کیا تھا۔ تو اس کے آگے فوراً قرآن اس سوال کا جواب بھی دے دیتا ہے۔

وَاتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا. الكهف ٨٤

اور دیئے تھے ہم نے اسے ہر شے سے اسباب

یعنی ذی القرنین وہ شخصیت تھی جسے زمین میں حکومت دی گئی اور حکومت تو ہم جانتے ہیں بہت ساروں کو دی گئی لیکن ان میں سے ذی القرنین کون سی شخصیت ہے تو اس کی شخصیت کی نشاندہی کے لیے اللہ سبحان و تعالیٰ یہاں اس کی ایک منفرد نشانی بیان کر کے اس شخصیت پر سے پردہ اٹھا دیتے ہیں۔ کہ ذی القرنین علیہ السلام وہ شخصیت تھی جسے تمام کی تمام اشیاء سے اسباب دیئے گئے۔

اب ہم پر لازم ہے کہ ہم قرآن سے سوال کریں کہ وہ کون سی شخصیت تھی جسے نہ صرف زمین میں حکومت دی گئی بلکہ تمام کی تمام اشیاء سے اسباب دیئے تو قرآن پر یہ فرض ہے کہ وہ اس سوال کا جواب ضرور دے اور جب ہم اپنے اس سوال کیساتھ قرآن



سے رجوع کریں تو قرآن اس کا جواب یوں دیتا ہے۔

پورے قرآن میں تین مقامات پر کسی کے لیے قرآن نے یہ کہا کہ انہیں ہر شے سے دیا گیا۔ ان میں پہلا مقام یہی سورت الکہف میں ہے جو کہ ہمارا سوال ہے اس کے علاوہ باقی دو مقامات رہ جاتے ہیں۔

پہلا مقام۔

وَوَرِثَ سُلَيْمُنُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِّمْنَا مَنَظِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۖ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ.

اور وارث بنایا سلیمان کو داؤد کا اور کہا سلیمان نے اے انسانو! علم دیا ہمیں فضا میں تیرنے والوں کی منطق کا اور دیں ہمیں تمام کی تمام اشیاء۔ اس میں کچھ شک نہیں یہ اس (اللہ) کا کھلم کھلا فضل ہے۔

دوسرا مقام۔

إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ.

النمل ۲۳

میں نے پایا ایک عورت کو جو حکومت کرتی ہے ان پر اور دیا گیا اسے ہر شے سے اور ہے اس کا عرش عظیم۔

اگر معجزانہ طور پر قرآن کی ترتیب کو دیکھا جائے تو ترتیب کے لحاظ سے قرآن میں سب سے پہلے سورت الکہف میں سوال کے طور پر من کل شئی کا ذکر آیا اور پھر دوسرے مقام پر سلیمان علیہ السلام کا کہ سلیمان علیہ السلام یہ اعتراف کر رہے ہیں کہ میں وہ شخصیت ہوں جسے ہر شے سے دیا گیا۔ پھر تیسرے مقام پر ایک عورت کا ذکر ہے کہ اسے بھی ہر شے سے دیا گیا۔

ترتیب کے لحاظ سے تو قرآن جواب واضح کر دیتا ہے کہ وہ شخصیت سلیمان علیہ السلام ہیں۔

اور پھر اگر ترتیب کو نظر انداز کر بھی دیا جائے تو ذالقرنین علیہ السلام کا اللہ سبحان و تعالیٰ نے اپنے مقرب غلام کے طور پر ذکر کیا۔

اس لحاظ سے بھی سلیمان علیہ السلام ہی ذالقرنین علیہ السلام ہیں کیونکہ قرآن میں جو صفات ذالقرنین علیہ السلام کی بیان کی گئی بلکل وہی سلیمان علیہ السلام کی بیان کی گئیں۔ اور اس کے برعکس ملکہ سبا تو اس وقت مشرک تھی۔

پھر ذالقرنین علیہ السلام ایک مرد تھے۔ جب سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کو سامنے رکھا جائے تو سلیمان علیہ السلام مرد اور ملکہ سبا کے بارے میں قرآن نے کھول کر بیان کر دیا کہ وہ عورت تھی۔ اس لیے کسی بھی لحاظ سے غور کیا جائے تو سلیمان علیہ السلام ہی ذالقرنین علیہ السلام تھے۔

پھر ہم ایک دوسرے زاویے سے غور و فکر کر لیتے ہیں۔

**إِنَّا مَكَنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَاتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا. الكهف ۸۴**

اس میں کچھ شک نہیں ہم نے اختیار دیا تھا اس کو زمین میں اور دیئے تھے اسے تمام کی تمام اشیاء سے اسباب۔

سبحان اللہ، دیکھیں یہاں اللہ سبحانہ و تعالیٰ خود کہہ رہے ہیں کہ ہم نے اسے تمام کی تمام اشیاء سے اسباب دیئے تھے۔ تو اس کا جواب بھی قرآن کے اسلوب کے عین مطابق ہونا چاہیے۔ کہ ذالقرنین اللہ کے خالص غلام تھے اور غلام کا کام مالک کے ہر حکم پر لبیک کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے پھر لازم ہے کہ غلام خود جواب دے کہ ہاں اے اللہ تو نے مجھے تمام کی تمام اشیاء سے اسباب دیئے۔ اور قرآن میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے غلام کا جواب بھی بیان کر دیا ہے۔

**وَوَرِثَ سُلَيْمُنُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۚ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ.**

اور وارث بنایا سلیمان کو داؤد کا اور کہا سلیمان نے اے انسانو! علم دیا ہمیں فضا میں تیرنے والوں کی منطق کا اور دیں ہمیں تمام کی تمام اشیاء۔ اس میں کچھ شک نہیں یہ اس (اللہ) کا کھلم کھلا فضل ہے۔

قرآن نے خود ہی سوال کیا اور خود ہی اس کا جواب دے دیا کہ ذالقرنین کو ہم نے تمام کی تمام اشیاء سے اسباب دیئے اور جواب میں بتایا کہ وہ سلیمان علیہ السلام تھے جنہیں اللہ نے تمام کی تمام اشیاء سے دیا۔ بلکل واضح ہو گیا کہ ذالقرنین سلیمان علیہ السلام تھے ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

### سورة الكهف.

ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا. ٩٢ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا ۖ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا. ٩٣ قَالُوا يَٰذَا الْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا. ٩٤ قَالَ مَا مَكْنًى فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا. ٩٥ ائْتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا ۖ قَالَ ائْتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا. ٩٦ فَمَا اسْطَاعُوا أَنْ يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا. ٩٧

پھر اس نے اتباع کی اسباب کی۔ یہاں تک کہ پہنچا دور کا وٹوں کے درمیان پایا وہاں ان دونوں کے علاوہ ایک قوم کو جو بات کو سمجھنے کے قریب بھی نہ تھے۔ انہوں نے جواب دیا اے ذالقرنین اس میں کچھ شک نہیں یا جوج اور ماجوج فساد کرنے والے ہیں ارض میں پس کیا ہم مقرر کر دیں تیرے لیے خراج اس پر کہ تو اس سے کر دے ہمارے درمیان اور ان کے درمیان ایک رکاوٹ۔ ذالقرنین نے جواب دیا نہیں جو اختیار دیا مجھے اس میں میرے رب نے وہ خیر ہے پس میری استعانت کرو قوت کیساتھ (یعنی بتاتے جاؤ کہ وہ کن کن دروں سے آتے ہیں تاکہ میں اس حساب سے وہاں سد تعمیر کروں جس سے تمام درے بند ہو جائیں اور اس کے علاوہ زور سے میری

استعانت کرو تا کہ میں) کر دوں تمہارے درمیان اور ان کے درمیان رد کرنے والی۔ لاؤ دو مجھے لوہے کے زُبُر یہاں تک کہ جب مکمل ہو جائے دو تہوں کے درمیان کہا پھونکو یہاں تک کہ جب وہ ہو جائے آگ، کہا لاؤ مجھے دو انڈھیل دوں اس پر پگھلا ہوا تانبا۔ پس نہیں استطاعت انہیں کہ اس سے ظاہر ہو جائیں اور نہ ہی استطاعت ہے ان کو نقب لگانے کی۔

الحمد للہ میں نے کوشش کی کہ ان آیات کا لفظ بہ لفظ بالکل ٹھیک سے معنی کے مطابق ترجمہ کروں لیکن یہ بات ذہن میں رکھی جائے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے ان آیات میں جس رکاوٹ کی تعمیر کے لیے جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ ایسے ہیں کہ ان سے مراد صرف کوئی مادی رکاوٹ یعنی دیوار نہیں ہے اور نہ ہی صرف کوئی غیر مادی دیوار ہے۔ کیونکہ مادی رکاوٹ یعنی دیوار کے لیے عربی میں لفظ ”جدار“ استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں لفظ سد استعمال ہوا ہے جو مادی رکاوٹ اور غیر مادی رکاوٹ سمیت ہر قسم کی رکاوٹ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح ذالقرنین علیہ السلام انہیں کہتے ہیں کہ میں تمہارے درمیان اور ان کے درمیان کر دیتا ہوں ”ردما“ حالانکہ اگر وہ صرف مادی دیوار ہوتی تو یہاں ”ردما“ کی بجائے جدار لفظ کا استعمال کرنا چاہیے تھا اور پھر اگر جدار کا استعمال نہ کرتے کم از کم سد کا لفظ ہی استعمال کرنا چاہیے تھا جو کہ پیچھے استعمال ہوتا رہا لیکن ان دونوں الفاظ کی بجائے ایک تیسرے لفظ کا استعمال کیا۔ ”ردما“ جس کے معنی ہیں جو بھی اس کی طرف آئے اس پر ٹکرا کر پھر جائے یعنی منعکس ہو جائے۔ پھر اسی طرح جن دو رکاوٹوں ”سدین“ کے درمیان وہ رکاوٹ تعمیر کی اس کے لیے بھی لفظ ”سدین“ کا استعمال ہوا ہے۔ حالانکہ جب پورے متن کو سامنے رکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ دو پہاڑی سلسلوں کی بات ہو رہی ہے لیکن اللہ سبحان و تعالیٰ نے قرآن میں پہاڑوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ ”سدین“ کا لفظ استعمال کیا۔ دو مادی یا غیر مادی رکاوٹیں۔ اس لیے اللہ سبحان و تعالیٰ کے ان آیات میں استعمال کردہ الفاظ کو ہم صرف مادیت پر ہی منطبق نہیں کر سکتے ہمیں ان تمام پہلوؤں پر غور و فکر کرنا ہوگا جن کی طرف یہ الفاظ ہماری راہنمائی کریں۔ اس کے علاوہ جو سب سے ضروری بات ہے وہ یہ کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے قرآن میں ایک ہی مقام پر کئی کئی واقعات کو ایک ہی واقعے کے طور پر بیان کر دیا۔ اس لیے ان آیات میں اللہ نے جو الفاظ استعمال کیے وہ بالکل کھول کر بتا رہے ہیں کہ ان آیات میں صرف کسی خاص ایک ہی واقعے کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ اس کے علاوہ اس سے متعلق اور بھی واقعات کا ان میں احاطہ کیا گیا ہے خواہ وہ اس کے علاوہ ایک ہی اور کیوں نہ ہو۔

اس لیے ہم کسی بھی صورت اسے صرف ایک ہی واقعہ کی صورت میں نہیں لے سکتے اور نہ ہی لیں گے بلکہ ہم اس موقع پر اپنے

موضوع کے اعتبار سے ایک پہلو پر بات کریں گے اور اس کے علاوہ دوسرے پہلو پر یا جوج اور ماجوج کی وضاحت کے موقع پر بات ہوگی۔ ان شاء اللہ

ہم ابھی بات صرف رکاوٹ پر کریں گے۔ جب ہم اس واقعہ کے پہلے رخ کی بات کریں تو بلاشبہ ”سدین“ سے مراد دو پہاڑ یعنی دو پہاڑی سلسلے اسے طرح ہیں کہ جیسے دو دیواریں ہوں جن کے درمیان ایک درہ ہو۔ یقیناً یہ درہ طویل لمبائی پر مشتمل تھا جس سے گزر کر یا جوج اور ماجوج نامی دو قومیں، قبیلے یا گروہ اس پہاڑی سلسلے کی دوسری طرف آ کر اس وقت کے تقاضے کے مطابق فساد کرتے تھے جس سے وہاں مقیم وہ قوم شدید اذیت میں تھی۔ ان کے بس میں نہیں تھا کہ وہ اس مسئلے کا سد باب کر سکیں۔ ذالقرنین کو جب اللہ کی طرف سے عطا کیے گئے اسباب کے ذریعے اس قوم کی حالت کی خبر ملی تو وہاں پہنچے انہیں اپنے بارے میں آگاہ کیا اور ان سے ان کے مسائل دریافت کیے تو انہوں نے یا جوج اور ماجوج کے فساد سے بچنے کی غرض سے ایک رکاوٹ تعمیر کرنے کی التجاء کی۔ جس کے لیے خراج ادا کرنے کی پیشکش بھی کی لیکن ذالقرنین نے اسے لینے سے جس طرح انکار کیا اس کا ذکر بھی ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

ایک بہت بڑی غلطی کی جاتی ہے وہ یہ کہ ایک **فَاعِیْنُونِیْ بِقُوَّةٍ** کا ترجمہ کیا جاتا ہے کہ میری مدد کرو قوت یعنی طاقت کیساتھ۔ یہ ترجمہ نامکمل ہے۔

**فَاعِیْنُو** کہتے ہیں پس میری راہنمائی کرو۔ اسی سے لفظ **”نستعین“** بنا ہے جس کے معنی ہیں۔ اور اصل لفظ **”اعین“** ہے

جس کے معنی لمحہ بہ لمحہ رہنمائی کے ہوتے ہیں۔

اسی طرح لفظ **”قوة“** کا ترجمہ طاقت، زور یا قوت کیا گیا یہ بھی نامکمل ترجمہ ہے۔ عربی میں طاقت، قوت، زور وغیرہ کو **”عزة“** کہا جاتا ہے۔ قوت کے معنی ایک سے زائد ہیں۔ اس کے ایک معنی زور و طاقت کے ہیں اور دوسرے معنی انتہائی باریک بینی کے ساتھ معائنہ کرنے کے ہیں۔ لفظ قوت کے دوسرے معنی پہلے پر غالب ہیں اس لیے جہاں بھی یہ لفظ استعمال کیا جائے گا وہاں سب سے پہلے جو معنی لیے جائیں گے وہ یہی ہوں گے کہ انتہائی باریک بینی سے معائنہ کرنا۔ اس کے علاوہ زور و قوت کے معنی ثانوی حیثیت میں استعمال ہوں گے۔ الا یہ کہ متن اس بات کی اجازت نہ دے۔

**فَاعِينُونِي بِقُوَّةٍ**۔ پس میری لمحہ بہ لمحہ راہنمائی کرو انتہائی باریک بینی سے معائنہ کرنے کے ساتھ۔ یعنی مجھے یہ بتاؤ کہ

یا جوج اور ماجوج جب آتے ہیں تو وہ کس کس طرف سے آتے ہیں جب معائنہ مکمل ہو جائے گا تو پھر یہ طے کیا جائے گا کہ کس مقام پر سد بنانا فائدے مند ہوگا۔ کیونکہ ایسا نہیں ہوتا تھا کہ وہ اچانک ایک ہی درے سے حملہ آور ہوتے تھے۔ بلکہ پیچھے سے تو ان کے آنے کے لیے ایک ہی رستہ تھا لیکن جب وہ اس علاقے کی قریب پہنچتے تو مختلف دروں سے ہوتے ہوئے اس قوم پر حملہ آور ہوتے تھے۔ اس لیے ان سے بچاؤ کے لیے ضروری تھا کہ ان کے آنے کے رستوں کا علم ہو۔ یہی ذالقرنین علیہ السلام نے انہیں کہا تھا کہ پس میری راہنمائی کرو انتہائی باریک بینی سے معائنہ کرنے میں تاکہ جب تم مجھے ان تفصیل سے آگاہ کرو گے تب ہی میں تمہارے اور ان کے درمیان رکاوٹ بنا سکوں گا۔

کیونکہ اگر کسی ایسے مقام پر رکاوٹ بنائی گئی جہاں ایک سے زیادہ درے ہوں تو اس رکاوٹ کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا وہ دوسرے درے سے گزر کر آجائیں گے۔ اس لیے جب ان کے آنے کے حوالے سے مکمل علم ہوگا کہ وہ کس کس طرف سے آتے ہیں تو اس حساب سے دیکھا جائے گا کہ وہ کون سا مقام ہے جہاں سے بنیادی درے کو بند کرنے سے ان کے آنے کے تمام رستے بند ہو جائیں گے۔

اور جو ترجمہ کیا جاتا ہے کہ تم میری آدمیوں سے مدد کرو ایک تو عربی میں ایسا کوئی لفظ بیان نہیں کیا گیا اور دوسرا آگے جا کر اس کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ اس دیوار کی تعمیر کا کام صرف انسانوں کا کام تھا ہی نہیں۔ البتہ تانبے اور لوہے کو پگھلانے کے لیے جو مدد درکار تھی وہ کام ان سے لیا جاسکتا تھا۔

پھر جو ذالقرنین علیہ السلام کہتے ہیں کہ پگھلا ہوا تانبہ لاؤ میں اس پر خالی کروں تو وہ اس قوم کو نہیں بلکہ اپنے لشکروالوں کو کہہ رہے ہیں جو لشکر ان کے ساتھ تھا۔

اب ذرا تصور کریں کہ دوائیسی پہاڑی سلسلے ہوں کہ جن پر چڑھنا انسان کے لیے ناممکن ہو ان کے درمیان درے کو بند کرنے کے لیے لوہے اور تانبے کی رکاوٹ تعمیر کی جائے تو اس کے لیے کتنے لوہے اور کتنے تانبے کی ضرورت ہوگی؟

یقیناً لاکھوں ٹن لوہا اور ہزاروں ٹن تانبے کی ضرورت ہوگی۔ پھر اس لاکھوں ٹن لوہے اور تانبے کو اس دور دراز اور دشوار ترین پہاڑی علاقے میں کیسے منتقل کیا جائے گا؟

پھر درکار لوہا حاصل کہاں سے کیا اور حاصل کرنے کے بعد وہ کس حالت میں ہوگا؟ یقیناً وہ اس حالت میں نہیں ہوگا کہ جس حالت میں وہ رکاوٹ بنانے کے لیے درکار تھا۔ یعنی لوہے کے زُب نہیں ہوں گے یعنی جیسے ٹکڑے درکار تھے۔ اس کے لیے



پہلے لوہے کو پگھلا کر اس کے مطلوبہ ٹکڑے بنائے گئے جس کے لیے لاکھوں ٹن لوہے کو پگھلانے کے لیے برتن، ایندھن اور مزید متعلقہ وسائل بھی درکار ہوں گے۔ پھر انہیں اٹھا کر پہاڑ کی شکل میں درے کو بند کرنا۔ جس کی اونچائی غیر معمولی حد تک بلند ہوگی کہ جس پر چڑھنے کا انسان تصور بھی نہ کر سکے بغیر موجودہ دور کے دجالی وسائل کے انہیں کس طرح اٹھا کر اتنی بلندی پر رکھا جائے گا یقیناً اس کے لیے ایسے وسائل بھی درکار ہونے چاہئیں۔ پھر اس کے لیے وہ کثیر مقدار میں تانبہ کیسے پگھلایا جائے گا؟ اور اسے اس رکاوٹ پر کیسے انڈیلا جائے گا؟

اس سد کا جو نقشہ بنتا ہے وہ دو صورتوں میں سے ایک صورت ہو سکتی ہے پہلی یہ کہ اس کے لیے جو کچھ بھی درکار ہوگا پہلے اس کو سامنے رکھیں اور ان کی مقدار کو بھی ذہن میں رکھیں۔ پھر سب سے پہلے پہاڑوں کے درمیان درے میں دو ”صدفین“ ایسی چٹان نما دیواریں بنائی جائیں گی جسے ہم قالب کہتے ہیں۔ جیسے آج کنکریٹ کی دیوار بنانے کے لیے کیا جاتا ہے کہ دو رکاوٹیں کھڑی کر کے ان میں مال انڈیلنا جس کے خشک ہونے پر وہ رکاوٹیں ہٹا دینا۔ جب ایسی دو رکاوٹیں تیار ہو جائیں تو ان میں لوہے کے ٹکڑے ڈالنا تب تک کہ جب تک وہ بھر نہ جائیں اور ان کی اونچائی کو بھی ذہن میں رکھیے۔ اس کے بعد اسے اتنا گرم کرنا کہ وہ آگ کی طرح ہو جائے اور آخر میں اس کے اوپر لاکھوں ٹن پگھلا ہوا تانبہ انڈیلنا۔ لیکن اس صورت میں اسے آگ کی طرح دہکانہ ممکن نہیں ہو سکتا اس لیے اس سد کی تعمیر کے لیے یہ صورت نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ہی قرآن اس کی تصدیق و تائید کرتا ہے بلکہ الٹا جن الفاظ میں واقعہ بیان کیا گیا وہ الفاظ ہی اس صورت کی نفی کرتے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں طرف پہاڑ ہوں ان کے درمیان خالی جگہ جو رستہ ہے اس میں لوہے کے ٹکڑے ڈالنا یہاں تک کہ وہ بھی پہاڑ کی مانند ان کے برابر ہو جائے۔ دونوں طرف پہاڑ صدفین کا کام دیں گے جب وہ درہ لوہے کے ٹکڑوں سے بھر جائے تو پھر اسے کے اطراف میں کوئلہ ڈال کر اسے دہکانہ اور ہوا کا دباؤ زیادہ کرنا جس سے لوہے کا پہاڑ آگ کی طرح ہو جائے گا پھر اس کے اوپر پگھلا ہوا تانبہ ڈالنا جس سے وہ سد دیکھنے میں بالکل پہاڑ کی شکل میں نظر آئے گی۔ یہ دوسری صورت ہی اختیار کی ذوقرین علیہ السلام نے اس سد کی تعمیر کے لیے۔ لیکن ذہن میں تمام تصورات موجود ہونے چاہئیں کہ اس سد کی تعمیر کتنی مشکل تھی۔

ذرا تصور کیجئے کیا اس وقت یہ انسان کے لیے ممکن تھا؟ اگر تھوڑا سا بھی غور کیا جائے تو یہ انسان کے لیے کسی بھی صورت ممکن نہیں تھا الا یہ کہ اس کے پاس آج موجودہ دور سے بھی جدید ترین وسائل ہوں جو کہ آج بھی موجود نہیں ہیں اور اس وقت بھی

نہیں تھے یا پھر یہ کام انسانوں کے علاوہ کسی اور مخلوق کا ہی ہو سکتا ہے لیکن اگر کوئی اور مخلوق بھی اگر یہ کام کرے گی تو وہ اللہ کے قانون کے مطابق ہی کرے گی۔ یعنی کہ لوہے کو اسی طرح پگھلایا جائے گا جیسے اللہ کا قانون ہے۔ تانبے کو بھی اسی طرح پگھلایا جائے گا جیسے اللہ کا قانون ہے۔ اور پھر یہ بھی اللہ کے قانون میں ہے کہ زمین پر خلیفہ یعنی زمین کا اختیار انسان کو دیا گیا اس لیے انسانوں کے علاوہ اگر کوئی مخلوق بھی زمین پر کچھ کرے گی تو وہ براہ راست کچھ نہیں کر سکتی وہ انسانوں کے ذریعے ہی کچھ کر سکتی ہے اور پھر وہ وہی مخلوق ہو سکتی ہے جسے اللہ سبحان و تعالیٰ نے اس معاملے میں اختیار دیا ہوا ہو۔

ان تمام سوالات سمیت جتنے بھی سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کا ہم نے ذکر نہیں کیا اس لیے کہ آپ خود بھی غور و فکر کر کے انہیں سامنے لائیں سمیت تمام کے تمام سوالات کے جوابات جاننے کے لیے ہم اللہ کی کتاب سے رجوع کرتے ہیں پھر دیکھتے ہیں کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے ان کے جوابات کس طرح دیئے ہیں۔

پہلا سوال۔ لوہا کہاں سے حاصل کیا گیا اور کس حالت میں تھا؟  
اس سوال کا جواب جاننے کے لیے ہمیں پہلے لوہے کے بارے میں جاننا ہوگا۔ جس کے لیے ہم اللہ کی کتاب قرآن سے رجوع کرتے ہیں۔

**وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ. الحديد ۵۲**

اور اتارا ہم نے لوہا۔

لوہا اللہ سبحان و تعالیٰ نے نازل کیا۔ نازل کہتے ہیں جو شے آسمان یعنی بلندی سے اتاری جائے۔ جیسے اس آیت میں ہے

**وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً. البقرة ۲۲**

اور اتارا آسمان سے پانی۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جب زمین کو خلق کیا تو زمین کے تخلیقی مراحل کے دوران جب وقت آیا کہ زمین پر لوہے کی ضرورت ہے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آسمان سے لوہے کی بارش کی بلکل ایسے ہی جیسے پانی بارش کی صورت میں برستا ہے۔ جس سے زمین پر لوہے کی ایک تہہ جم گئی اور بعض جگہوں پر زیادہ لوہے کی بارش ہونے کی صورت میں پہاڑ وجود میں آ گئے۔ لیکن اس وقت لوہا اس حالت میں نہیں اتر جیسا ہم اپنے روزمرہ کی استعمال کرنے والی اشیاء میں لوہے کو دیکھتے ہیں۔ بلکہ پہلے لوہا بلکل ایسے ہی ہوتا ہے جیسے کوئی عام پتھر ہوتا ہے۔ زمین کی تہوں میں اور پہاڑوں میں کہیں لوہے کی مقدار کافی زیادہ ہے تو کہیں بہت کم۔ ان پتھروں کو بہت زیادہ درجہ حرارت پر پکایا جاتا ہے جس سے پتھر پگھل کر پانی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور ان میں موجود لوہا نجلی سطح پر بیٹھ جاتا ہے۔ ٹھنڈا ہونے پر لوہا نیچے الگ ہو جاتا ہے اور اوپر باقی عناصر دوبارہ پتھر کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

زمین کھود کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے لوہا نکالنے کی اجازت نہیں دی لیکن اس کے برعکس پہاڑوں سے لوہا حاصل کرنے کی اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اجازت دی ہے۔ اب جب لوہا حاصل کرنا ہو تو وہ پہاڑوں سے حاصل کیا جائے گا اور وہ اس وقت پتھر کی شکل میں ہوتا ہے۔ اسی طرح ذالقرنین علیہ السلام نے بھی اس سد کی تعمیر کے لیے لوہا حاصل کیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی شخصیت گزری جسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے وافر مقدار میں لوہا دیا اور پھر اسے پگھلا کر خالص کرنے اور اس سے اشیاء بنانے کا علم دیا؟

اللہ سبحانہ و تعالیٰ قرآن میں داؤد علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں

**إِنَّا سَخَرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعُشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ. ص ۱۸**

اس میں کچھ شک نہیں مسخر کر دیے پہاڑ اس (داؤد علیہ السلام) کے ساتھ جو بھی اور جیسے انہیں حکم دیا جاتا تھا فوری عمل کرتے تھے اپنے عشی اور اشراق کیساتھ۔

مسخر کرنا کہتے ہیں ایک شے پر مکمل اختیار دے دینا کہ اسے جیسے جی چاہیں استعمال کرنے کی صلاحیت حاصل ہو جائے۔ اس سے جو بھی کام لینا چاہیں لے لیں وغیرہ۔

**يُسَبِّحُنَ.** جو بھی انہیں حکم دیا جاتا فوری تیزی سے اس پر عمل کرتے۔

**بِالْعَشِيِّ.** جو بھی پہاڑوں میں رکھا ہوا ہے جو ان میں ظاہر نظر نہیں آتا اس کیساتھ۔

**وَالْإِشْرَاقِ.** اور جو بھی پہاڑوں میں ایسا ہے جو واضح ہے۔

داؤد علیہ السلام پہاڑوں کو حکم دیتے تو اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ داؤد علیہ السلام ان کو زبان سے حکم دیتے بلکہ پہاڑوں کو حکم دینے کا اللہ کا جو قانون ہے اسی قانون کی مطابق حکم دیتے۔ جیسے کہ آج پہاڑوں کو کھود کر ان سے جو کچھ بھی حاصل کیا جاتا ہے یہ اللہ کے قانون میں پہاڑوں کو حکم دینا کہلاتا ہے۔ اسی طرح داؤد علیہ السلام پہاڑوں سے وہ کچھ نکالتے جو مقصود ہوتا جس سے وہ اللہ کے دین کو غالب کرنے، دین کو قائم کرنے کی غرض سے استعمال کرتے نہ کہ دنیاوی زندگی میں سہولتوں و آسائشوں کے لیے۔ وہ کیا کیا پہاڑوں سے نکالتے اس پر یہاں بات کرنا ضروری نہیں۔ ہمارا موضوع لوہا تھا۔ تو یقینی طور پر داؤد علیہ السلام پہاڑوں سے وہ پتھر نکالتے جن میں لوہا موجود ہوتا تھا یعنی جو لوہے کے حصول کا ذریعہ تھے انہیں پہاڑوں سے نکالتے۔

پھر نکال کر کرتے کیا تھے۔ تو اس کا جواب بھی اللہ سبحان و تعالیٰ نے دے دیا۔

**وَأَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ.** سبا ۱۰

اور نرم کر دیا ہم نے اس کے لیے لوہے کو۔

اللہ سبحان و تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کیسے کیا؟ تو اس کا جواب اللہ سبحان و تعالیٰ کی کتاب میں جگہ جگہ موجود ہے۔ ہر کام اللہ کے قدر میں کیے ہوئے قانون کی مطابق ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ سبحان و تعالیٰ نے جو قانون لوہے کو نرم کرنے کے لیے رکھ دیا اسی قانون کی مطابق اللہ سبحان و تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا۔



ایسا ہرگز نہیں جیسا کہ مشہور کر دیا گیا کہ داؤد علیہ السلام لوہے کو ہاتھ میں لیتے تو لوہا موم کی طرح نرم ہو جاتا پھر جو چاہتے بنا لیتے۔ یہ انتہا کی جہالت پر مبنی ایسے قصے کہانیاں ہیں جن کی اللہ کے قانون میں کوئی گنجائش نہیں اور نہ ہی دین ایسے نظریات کی اجازت دیتا ہے۔ جنہیں ہم معجزات کہتے ہیں وہ سب بھی اللہ کے قانون کی مطابق ہوتا ہے البتہ ہماری عقل اس کا احاطہ کرنے سے قاصر رہتی ہے کیونکہ انسان کا علم ابھی اس مقام تک نہیں پہنچا۔

جیسے آج جو ٹیکنالوجی موجود ہے اگر اس کا ذکر آج سے ہزار سال پہلے کے انسانوں سے کیا جاتا تو یہ سب ان کے لیے معجزات تھے یعنی اس وقت کے انسانوں کی اکثریت کی عقل اسے سمجھنے سے قاصر تھی جس کی وجہ ان کا علم اس سطح پر نہیں تھا جس سطح پر آج کے انسانوں کا ہے اس لیے آج یہ سب اشیاء آج کے انسانوں کے لیے عام اور معمولی سی بات ہیں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَىٰ

كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ. النمل ۱۵

اور تحقیق کہ دیا ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم، اور کہا انہوں نے اللہ کے لیے صرف تمام کی تمام حمد ہے۔ جس نے فضیلت دی ہمیں اپنے کثیر غلام مؤمنین پر۔

اس آیت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بالکل واضح صراحت کیساتھ بتا دیا کہ لوہے کو سلیمان علیہ السلام کے لیے کیسے نرم کیا گیا جس سے پیچھے بیان کردہ جہالت پر مبنی نظریات کی نفی ہو جاتی ہے اور قرآن نے یہ بھی جواب دے دیا کہ انہیں علم دیا تھا اور اس علم کا استعمال کیسے کرنا ہے اس کا جواب انہوں نے یوں دیا کہ اللہ کے لیے صرف حمد ہے یعنی آسمانوں اور زمینوں میں کہیں بھی کوئی عیب، نقص، خرابی، فساد وغیرہ ہوتا ہے تو اس کا ذمہ دار اللہ نہیں کوئی اور ہے اور جو اس کا ذمہ دار ہوگا اس نے اللہ کا شریک بننے کی کوشش کی۔ اس لیے ہم اس علم کو اپنی مرضی سے یا اپنی خواہشات کے لیے استعمال نہیں کریں گے اگر ایسا کیا تو آسمانوں اور زمینوں کے پیچیدہ ترین نظام میں فساد کا باعث بنیں گے جس سے تباہیاں آئیں گی اور اللہ ایسا کرنے والوں سے حب نہیں کرتا۔ اب جب وہ اس علم کا استعمال صرف اور صرف اللہ کی ہدایات کے مطابق کریں گے اور اس علم سے جب لوہا پگھلائیں گے تو گویا کہ وہ کام اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کیا اور جو لوگ اس علم کو اللہ کی بجائے شیطان کی ہدایات کے مطابق استعمال کریں تو اس سے ہونے والے فساد کے ذمہ دار بھی وہی ہوں گے کیوں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس کے لیے صرف حمد ہے

اور حمد اسی میں ہوتی ہے جس میں بالکل بھی عیب، نقص یا خامی و خرابی وغیرہ نہ ہو۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں میں نظام ہی ایسا بنادیا ہے۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ تمام کام اسی نظام اسی قانون کے تحت کرتے ہیں یہی اللہ کی سنت ہے۔

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۚ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ. النمل ۱۶

اور وارث بنادیا سلیمان کو داؤد کا اور کہا اس نے اے انسانو علم دیا گیا ہمیں فضاء میں تیرنے والوں کی منطق کا اور دیا ہمیں ہر شے سے، اس میں کچھ شک نہیں یہ اس کا کھلم کھلا فضل ہے۔

قرآن نے ہمیں بالکل واضح جواب دے دیا کہ لوہے کے حصول کا علم، صلاحیت، وسائل، اسے نرم کرنے کا علم اور اس کے استعمال کا علم وغیرہ اللہ نے داؤد علیہ السلام کو دیا۔ اور پھر سلیمان علیہ السلام کو داؤد علیہ السلام کا وارث بنادیا۔ پھر جب اس سد کی تعمیر کے لیے لاکھوں ٹن لوہے کی ضرورت تھی تو اتنی کثیر مقدار میں اس وقت لوہے کی ضرورت کو وہی شخصیت پوری کر سکتی تھی جس کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ایسی صلاحیتیں دی ہوں۔ اور پھر دنیا کی پوری تاریخ میں پوری دنیا میں ایک مومن حکمران صرف اور صرف یہی ایک شخصیت گزری ہے جس کو اللہ نے یہ تمام صلاحیتیں دی تھیں اور وہ سلیمان علیہ السلام تھے اس لیے ذالقرنین سلیمان علیہ السلام ہی تھے۔

س ۲۔ اتنی بڑی مقدار میں تانبہ کہاں سے حاصل کیا گیا اور کس حالت میں تھا؟  
اس کا جواب قرآن یوں دیتا ہے۔

وَ أَسْلَمْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ. سبا ۱۲

اور جاری کر دیا ہم نے اس کے لیے تانبے کا چشمہ۔

**اَسَل** کا ترجمہ بہادیا کیا جاتا ہے جو کہ بالکل غلط ہے بہنے کو عربی میں ”تجری“ کہتے ہیں۔ اسل کے معنی جاری کرنے کے ہیں۔

اس آیت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ سلیمان علیہ السلام کے لیے کہہ رہے ہیں کہ ہم نے ان کے لیے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا۔ اس میں سب سے پہلی بات تو ذہن میں یہ ہونی چاہیے کہ تانبے کا چشمہ جاری کرنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ جیسے زمین سے پانی کا چشمہ جاری ہوتا ہے بلکہ اللہ نے اپنے قانون کے مطابق سلیمان علیہ السلام کے لیے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا۔ اس پر باقی بات بعد میں کریں گے پہلے اس آیت میں ہی کچھ سوال پیدا ہوتے ہیں ان کا جواب جاننا ضروری ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے تانبے کا چشمہ کیوں جاری کیا؟ کس مقصد کے لیے؟ کیوں کہ بارہا اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن میں کہا کہ اس کا ہر کام حق کیساتھ ہوتا ہے کوئی بھی کام بے مقصد نہیں ہوتا۔ تو تانبے کا چشمہ جاری کرنے کا مقصد کیا تھا۔؟

اس کا جواب بھی قرآن میں لازمی ہونا چاہیے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے خود ہی کہہ دیا جیسا کہ ہم شروع میں ان آیات کو بیان کر چکے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کہا کہ اس نے قرآن میں سب کچھ بیان کر دیا کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ تو اس کا جواب بھی قرآن میں لازمی ہونا چاہیے۔ جب ہم اس کا جواب قرآن میں تلاش کریں۔ تو پورے قرآن میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے پچھلے ہوئے تانبے کا ذکر صرف دو مقامات پر کیا۔ جس کو دیکھ کر زبان سے بے ساختہ نکلتا ہے اللہ اکبر، سبحان اللہ و الحمد۔

جن میں دوسرا مقام تو یہی ہے جس میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سورۃ سبا کی اس آیت میں ذکر کیا۔ اور پہلا مقام سورۃ الکہف کی آیت ۹۶ میں ذکر کیا۔ ذالقرنین نے کہا لاؤ پگھلا ہوا تانبہ دو مجھے میں اس پر انڈھیل دوں۔

بلکل اسی ترتیب سے قرآن میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے پہلے مقام پر یہ سوال رکھا کہ وہ پگھلا ہوا اتنی بڑی مقدار میں تانبہ کس کو حاصل تھا اور دوسرے مقام پر اس کا جواب دے دیا کہ اتنی بڑی مقدار میں پگھلا ہوا تانبہ سلیمان علیہ السلام کو دیا گیا۔

تو الحمد للہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بالکل صراحت کیساتھ کھول کر بتا دیا کہ سلیمان علیہ السلام کے لیے تانبے کا چشمہ جاری کرنے کا مقصد اس سد کی تعمیر تھی جس کے ذریعے یاجوج اور ماجوج کو فساد کرنے سے روکنا تھا۔ اس میں تو کوئی رائی برابر بھی شک نہیں رہتا کہ سلیمان علیہ السلام ہی ذالقرنین تھے۔

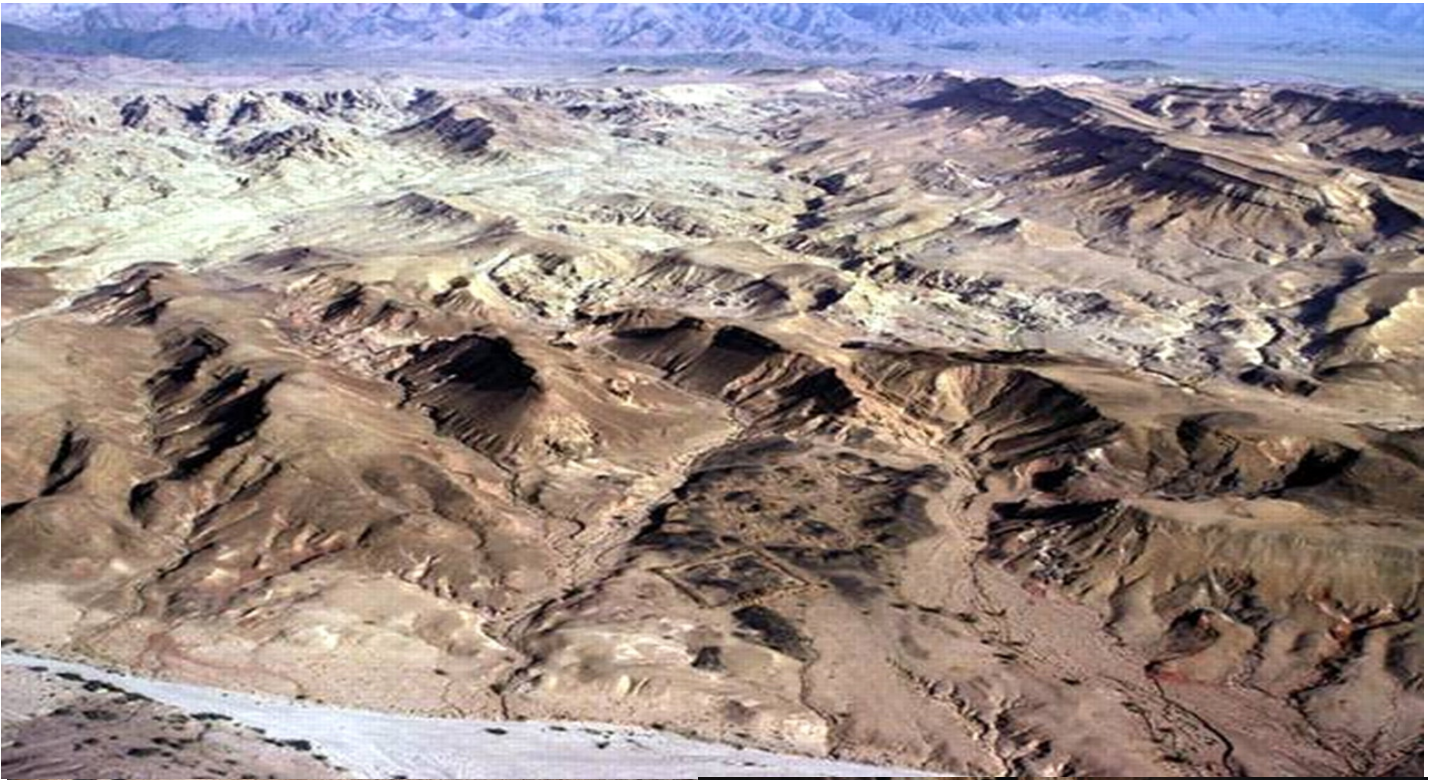
اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے تانبے کا چشمہ کیسے جاری کیا۔ تو جب ہم قرآن میں



غور و فکر کریں تو پتہ چلتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام دنیا میں فساد کرنے والوں کو سزا دیا کرتے تھے جس میں ایک سزا یہ ہوتی کہ انہیں قید میں ڈال دیا جاتا اور وہ قید صرف اس حد تک نہ ہوتی کہ جیل میں ڈالا جاتا بلکہ سلیمان علیہ السلام ان مفسد قیدیوں سے زمین پر اصلاح کا کام لیا کرتے تھے۔

جب سلیمان علیہ السلام کو اس سد کی تعمیر کی غرض سے اتنی بڑی مقدار میں تانبے کی ضرورت پیش آئی تو سلیمان علیہ السلام نے اردن میں جہاں وسیع پیمانے پر اللہ سبحان و تعالیٰ نے پر تانبے کے ذخائر رکھے ہوئے ہیں وہاں کانیں کھودیں ان کانوں سے تقریباً کم از کم پچاس ہزار ٹن خام تانبہ نکالا پتھر کی شکل میں پھر اسے پگھلا کر اس سے تقریباً کم از کم پانچ ہزار ٹن خالص تانبہ حاصل کیا۔ اس سارے کام پر سلیمان علیہ السلام نے انہیں معمور کیا جن کے لیے وہ تانبہ نکالا گیا۔ یعنی وہی قوم جس کے یاجوج اور ماجوج سے بچاؤ کے لیے سد تعمیر کرنا تھا۔

جس مقام سے ذالقرنین سلیمان علیہ السلام نے تانبہ حاصل کیا اسے درج ذیل تصاویر میں دیکھا جاسکتا ہے۔



یہ تصاویر اس مقام کی ہیں جہاں سے سلیمان علیہ السلام نے اس سد کی تعمیر کے لیے تانبہ حاصل کیا۔ اردن میں اس مقام پر پندرہ تانبے کی کانیں دریافت ہوئیں اور جو آثار اور عبرانی زبان میں پتھروں پر نقش تحریریں وہاں سے دریافت ہوئیں ان سے کسی بھی قسم کے شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ یہ کانیں آج سے کم و بیش تین ہزار سال پہلے سلیمان علیہ السلام کے دور اقتدار کی ہیں۔ جہاں سے کم از کم پچاس ہزار ٹن خام تانبہ نکالا گیا۔ اگر اس خام مال سے دس فیصد بھی خالص تانبہ نکلا ہو تو اس کی مقدار پانچ ہزار ٹن بنتی ہے۔

سلیمان علیہ السلام کے اسی پانچ ہزار ٹن نکالے گئے تانبے کے استعمال کے حوالے سے یہودیوں کا نظریہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے اس تانبے سے ٹیمپل تعمیر کیا جسے وہ ٹیمپل آف سلیمان کا نام دیتے ہیں اور جس کی تلاش کے لیے اسرائیل کو جگہ جگہ سے کھود رہے ہیں۔ قرآن نے بہت صراحت کیساتھ اس راز کو کھول دیا کہ سلیمان علیہ السلام کوئی کافر و مشرک نہیں تھے جو اللہ کے غیب اور حرام کردہ اشیاء کو ایسے استعمال میں لاتے یعنی کہ وہ ان سے محل وغیرہ تعمیر کرتے بلکہ سلیمان علیہ السلام نے اس تانبے کو سد کی تعمیر کے لیے بامقصد استعمال کیا۔ اللہ کی زمین کو فساد سے پاک کرنے کی غرض سے استعمال کیا۔ انتہائی افسوس ناک بات یہ ہے کہ آج خود کو مسلم کہلانے والوں کی اکثریت بھی یہودیوں کے اس عقیدے کی نہ صرف تائید کرتی ہے بلکہ خود بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں اور پھر مزید طرح طرح کی کہانیوں کے ذریعے نہ صرف خود گمراہی کا شکار ہیں بلکہ اوروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

قَالُوا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يٰاجُوجَ وَمَاجُوجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا. **الكهف ٩٤** قَالَ مَا مَكْنٰى فِىْهِ رَبِّىْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا. **الكهف ٩٥**

کہا انہوں نے اے ذالقرنین اس میں کچھ شک نہیں یا جوج اور ماجوج فساد کرتے ہیں ارض میں پس کیا ہم کر دیں تیرے لئے خراج اس پر کہ اس سے تو کر دے ہمارے درمیان اور ان کے درمیان رکاوٹ۔ ذالقرنین علیہ السلام نے جواب دیا نہیں جو اختیار دیا اس میں میرے رب نے مجھے وہ خیر ہے، پس میرے استعانت کرو قوت کے ساتھ کہ میں کر دوں تمہارے درمیان اور ان کے درمیان پھیر دینے والی۔



یہ جو ذالقرنین علیہ السلام نے انہیں کہا تھا کہ تم قوت کیساتھ میری مدد کرو۔ اور ان کے پاس کون سی قوت تھی؟ جب غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ان کے پاس صرف افرادی قوت تھی اس کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی قوت نہیں تھی۔ تو ان کی افرادی قوت یعنی انہیں ذالقرنین علیہ السلام پہلے اس مقام پر لے کر آئے جس مقام سے تانبہ حاصل کرنا تھا۔ انہوں نے اپنی افرادی قوت سے کانیں کھودیں اور ان سے خام شکل میں تانبہ نکالا۔ جس کے آج بھی آثار موجود ہیں جو پوری دنیا کے لیے معمر بنے ہوئے ہیں۔ اور وہ اسی تانبے کی دریافت کے لیے اسرائیل میں جگہ جگہ کھودائی کر رہے ہیں۔ کیونکہ بائبل میں کہا گیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے اپنے لیے ایک ٹیمپل یعنی محل تعمیر کیا اور ممکن طور پر وہ محل اسی تانبے سے تعمیر کیا گیا جس کی تلاش میں دن رات ان مقامات کی کھدائی جاری ہے جہاں پر بھی انہیں شک ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے وہ محل تعمیر کیا تھا۔

حالانکہ سلیمان علیہ السلام اللہ کی آیات کی تکذیب کیسے کر سکتے ہیں۔ وہ اللہ کے غیب کا کفر کیسے کر سکتے ہیں۔ وہ اس تانبے سے اس محل کی تعمیر کیسے کر سکتے ہیں جس کے بارے میں انہیں واضح علم ہے کہ تانبہ اللہ کے غیب سے ہے۔ اس نے اسے ہم سے چھپا کر رکھا تو اسی لیے کہ یہ ہمارے استعمال کا نہیں۔ اور انہیں وہ تانبہ تب تک نہیں ملے گا جب تک کہ یہ اس پہاڑ کی طرح کی رکاوٹ تک نہیں پہنچ جاتے جو آج بھی موجود ہے۔ اور وہ بالکل پہاڑوں میں بالکل پہاڑ کی طرح ہے۔ نہ کہ ایک ایسی دیوار جیسے کسی مکان یا عمارت کی دیوار ہوتی ہے۔ سلیمان علیہ السلام ہی ذالقرنین تھے اور انہوں نے وہ تانبہ اللہ کی زمین پر اصلاح کرنے کی غرض سے فساد کو ختم کرنے کی غرض سے اس سد پر استعمال کیا۔ اس لیے الحمد للہ انہیں کسی محل کی شکل میں وہ تانبہ نہیں ملے گا یہاں تک کہ اس رکاوٹ تک پہنچ جائیں اور ممکن ہے عنقریب یہ اس رکاوٹ تک پہنچ جائیں گے۔ اور یہ وقت تب آئے گا جب تیسری عالمی جنگ اپنے آخری تباہ کن مرحلے میں داخل ہو جائے گی یعنی آخری تباہ کن ہتھیاروں کے استعمال کرنے سے فوراً پہلے۔

گزشتہ اور آگے تصاویر میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ اردن میں ایک وسیع رقبے میں تقریباً پندرہ کانیں کھودی گئیں جن سے کم سے کم پچاس ہزار ٹن خام شکل میں تانبہ نکالا گیا اور اسے پگھلا کر اس سے کم سے کم پانچ ہزار ٹن خالص تانبہ حاصل کیا گیا۔ یہ آج کے اندازے ہیں ممکن ہے اس سے کہیں زیادہ مقدار میں تانبہ نکالا گیا ہو۔ اس جگہ کے آثار پر تحقیق کرنے سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ کہ اس جگہ سے صرف ایک ہی بار اتنی بڑی مقدار میں تانبہ نکالا گیا اس کے بعد پھر نہیں نکالا گیا۔ اور ایسا صرف ایک ہی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے کہ یہاں سے کسی ایسی شخصیت نے تانبہ حاصل کیا جو سخت ضرورت مند اور اللہ کے غضب سے ڈرنے اور بچنے والی تھی اور ایسا کوئی نبی ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اسے علم تھا کہ یہ اللہ کے غیب میں سے ہے یہ اللہ کی حرام چراہ گاہ ہے۔ غیب پر ایمان لانا ہے نہ کہ اللہ کے غیب کا کفر کرنا ہے جس وجہ سے اس ضرورت کو پورا کرنے کے بعد اسے چھیڑا

تک نہیں گیا۔ کیونکہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ کہیں پر بھی انسان پر جب اللہ کے غیب میں کچھ واضح ہوتا ہے اس کا علم آتا ہے خام تیل کی ہی مثال سامنے رکھ لیجئے کہ کیسے اللہ کے اس غیب سے کفر کیا جا رہا ہے۔ اس کے حصول کی خاطر آج جنگیں کی جا رہی ہیں دنیا میں فساد کبیر برپا کیا جا چکا ہے۔ اللہ کی کوئی خلق محفوظ نہیں رہی۔



اس سوال کا جواب بھی بالکل کھول کر بیان کرتا ہے کہ ”لا ذا القرنین الا نبی اللہ سلیمان علیہ السلام“

”السلام“ نہیں ہیں ذا القرنین علیہ السلام مگر اللہ کے نبی سلیمان علیہ السلام ہی ذا القرنین ہیں۔ سلیمان علیہ السلام ہی ذا القرنین ہیں اگر سلیمان علیہ السلام ذا القرنین نہیں تو پھر ذا القرنین ہیں ہی نہیں۔



س ۳۔ اتنی غیر معمولی مقدار میں تانبے اور لوہے کو پگھلانے کے لیے غیر معمولی برتن کہاں سے آئے؟

اس سوال کے جواب کے لیے ہم جب قرآن سے رجوع کریں تو اللہ سبحان و تعالیٰ ہمیں قرآن سے یوں جواب دیتے ہیں۔

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاسْلَنَّا لَهُ عَيْنَ الْقَطْرِ ط  
وَمِنَ الْجِنِّ مَن يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ ط وَمَنْ يَزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نَذِقْهُ  
مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ. سبا ۱۲

يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَّحَارِبٍ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ

رُسِيَّتٍ ط اِعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا ط وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرِينَ. سبا ۱۳

اور سلیمان کے لیے ہو، اس کا صبح کا جانا، صبح کا کام، صبح کا سفر وغیرہ ایک مہینے کا اور واپسی، شام کا جانا یا شام کا کام وغیرہ ایک مہینے کا، اور جاری کر دیا ہم نے اس کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ، اور جنوں سے جو کام کرتے تھے درمیان اس کی قوت کے اس کے رب کے حکم سے، اور ان میں سے جس نے ہمارے حکم کے علاوہ یا بتائے ہوئے مقصد کی بجائے کسی اور مقصد کے لیے کچھ کیا اس کے لیے ہمارا امر ہے ہم چکھائیں گے اسے عذاب سعیر سے۔

کام کرتے تھے اس کے لیے جو اس کا یعنی اللہ کا قانون ہے۔ جنگی ساز و سامان سے اور نقال یعنی جو اشیاء ماضی میں موجود تھیں یا دوسروں کے پاس تھیں ان کی نقلیں، اور بڑے بڑے تالاب کی مانند لوہے و تانبے وغیرہ کو پگھلانے والی کٹھیا لیاں، پگھلے ہوئے لوہے و تانبے وغیرہ کو اٹھانے اور انڈھیلنے والے ایسے بڑے بڑے برتن کہ جنہیں پکڑنے اور انڈھیلنے کے لیے کندھے لگے ہوں پہاڑوں کی طرح بلند اور غیر متزلزل جنہیں کوئی کھود نہ سکے، ڈھانہ سکے، سوراخ وغیرہ نہ کر سکے ایسی رکاوٹیں بنانے کے لیے۔ داؤد کی اولاد جس مقصد کے لیے جو کچھ دیا

اسی مقصد کے لیے استعمال کرو اور بہت تھوڑے ہیں میرے غلاموں میں سے جو اس مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں جس مقصد کے لیے یہ سب دیا گیا۔

شاء۔ کہتے ہیں قانون کو۔ جو قانون وضع کر دیا یا بنا دیا اسی کے مطابق کرنا یا اسی کے مطابق ہونا۔



مَحَارِبُ۔ جنگی ساز و سامان، اسلحہ، بارود اور ہتھیار وغیرہ

تَمَثِيلٌ۔ نقالیں۔ یعنی اگر کوئی شے جو پہلے گزرے ہوؤں نے بنائی ہو اسی طرح کی دوبارہ بنا دینا۔ جیسا کہ پہلی قوموں کے زمین پر جو آثار نظر آتے ہیں۔ جو جو ٹیکنالوجی بھی پہلی قومیں بنا چکی تھیں اس میں سے جو بھی کہتے وہ بنا دیتے۔ پچھلی قوموں کے پاس کیا تھا اس کے آگے صراحت کیساتھ وضاحت آئے گی۔ جیسے ہم اسی لفظ کو قرآن کے درج ذیل مقام سے ہی سمجھ لیتے ہیں۔

فَارْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ مریم ۷۱

پس بھیجا ہم نے اس کی طرف اپنی روح کو پس وہ مثل ہو گئی کے لیے بلکل ایک بشر کے۔

یہ مریم علیہا السلام کی طرف جو اللہ سبحان و تعالیٰ نے اپنی روح بھیجی جو بلکل بشر کی مثل ہو گئی تو اس آیت میں لفظ مثل کو با آسانی سمجھا جاسکتا ہے۔ اس لیے کیونکہ تماثل کا ترجمہ مورتیاں، بت کر دیا جاتا ہے جو کہ بلکل غلط ہے نہ صرف غلط بلکہ یہ سلیمان علیہ السلام پر یہودیوں ہی کی طرح ہمارا بھی بہت بڑا بہتان ہے کہ سلیمان علیہ السلام بت بنواتے تھے۔ مثل کہتے ہیں نقل کو جسے کاپی بھی کہتے ہیں۔ یعنی ایک شے جو پہلے سے موجود ہو یا موجود تھی تو بلکل اسی کی طرح دوسری بنائی جانے والی شے کو مثل کہتے ہیں۔

**جِفَانِ كَالْجَوَابِ .** لوہے، تانبے، سلور وغیرہ سمیت دھاتوں کو پگھلانے کے لیے بڑے بڑے برتن ”کٹھیا لیاں“ جیسے کہ تالاب ہوں۔ جب ان سے لوہا یا تانبہ پگھلا کر نکالا جائے تو اتنی مقدار میں نکلے کہ جیسے کوئی چشمہ جاری ہو گیا ہو۔



**قُدُورِ رَسِيتٍ .** پگھلے ہوئے لوہے و تانبے وغیرہ کو اٹھانے اور انڈھیلنے والے ایسے بڑے بڑے برتن کہ جنہیں پکڑنے اور انڈیلنے کے لیے کنڈے لگے ہوں پہاڑوں کی طرح بلند اور غیر متزلزل جنہیں کوئی کھود نہ سکے، ڈھانہ سکے، سوراخ وغیرہ نہ



کر سکے ایسی چوٹیاں بنانے کے لیے۔



الحمد للہ میں نے انتہائی کوشش کی کہ عربی کے ان الفاظ کے بالکل وہی معنی بیان کیے جائیں جو ان کے معنی ہیں۔ ان آیات میں نہ صرف یہ روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ اس سد کے لیے لوہے و تانبے کو پگھلایا کیسے اور کن برتنوں میں گیا بلکہ پیچھے گزرے ہوئے سوالوں کی بھی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے کیسے سلیمان علیہ السلام کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا۔ ظاہر ہے جب اتنی بڑی بڑی کٹھیلیوں یعنی پگھلانے والے برتنوں سے پگھلا ہوا تانبہ نکالا جائے گا تو وہ بالکل ایسے ہی ہوگا جیسے کہ چشمہ جاری ہو گیا ہو۔ اللہ اکبر واللہ الحمد۔

یہ جو اشیاء بیان کی گئیں اللہ سبحان و تعالیٰ نے کہا کہ جنات میں سے کچھ اللہ کے قانون کے مطابق سلیمان علیہ السلام کے لیے درمیان اس کی قوت کے بناتے تھے۔ یعنی کہ سلیمان علیہ السلام ان جنات سے ایسے کام صرف اور صرف وہیں لیتے تھے جہاں اللہ کا قانون اس کی اجازت دیتا ہے ورنہ یہ کام تو بالکل فساد کرنے والے ہیں اگر انہیں عام سطح پر کیا جائے۔ سلیمان علیہ السلام کو علم تھا اور اسی لیے وہ صرف اور صرف اسی وقت ان سے ایسے کام لیتے جب زمین میں اصلاح کی ضرورت ہو۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جنات کیسے کام کرتے تھے؟

اس کا جواب بھی اللہ سبحان و تعالیٰ نے یہیں دے دیا۔

## وَمِنَ الْجِنَّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ

اور جنوں سے جو کام کرتے تھے درمیان اس کے ہاتھ (قوت) کے۔

جن اللہ کی آگ سے خلق کردہ مخلوق ہیں۔ جن براہ راست صرف اسی شے میں مداخلت کر سکتے ہیں جس کا مادے سے نور میں تبدیل ہونا ناگزیر ہو۔ اس کے علاوہ جنات کسی بھی مادی شے میں براہ راست مداخلت نہیں کر سکتے۔ اس کا جواب اللہ سبحان و تعالیٰ نے یہاں صراحت کیساتھ دے دیا۔

جنوں اور جو وہ کام کرتے تھے ان کے درمیان سلیمان علیہ السلام کی قوت ہوتی تھی۔ یعنی کوئی بھی کام جو جنات کرتے تھے بذریعہ انسانی قوت کے کرتے تھے۔

جیسے آپ درج ذیل تصویر میں دیکھ سکتے ہیں۔ کہ اگر آپ کو ایک گاڑی کے ٹائر کا بولٹ کھولنا ہے تو آپ براہ راست اپنے ہاتھ سے نہیں کھول سکتے اس کے لیے آپ کو کسی اوزار کی ضرورت ہوگی۔ پیچھے آپ ہوں گے درمیان میں کوئی اوزار اور پھر مطلوبہ کام یعنی وہ بولٹ ہوگا۔



جس طرح آپ اور آپ کے کیے جانے والے عمل کے بین یعنی درمیان وہ اوزار ہوگا بلکل اسی طرح جنات کے پاس علم بہت وسیع ہے بہ نسبت انسانوں کے لیکن وہ اپنے علم کو مادی دنیا میں عمل میں لانے کے لیے انسان کے محتاج ہیں۔ اس کی ایک وجہ ان کا آگ سے خلق ہونا ہے اور دوسری وجہ زمین کا اختیار یعنی نانیت اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انسان کو دی اس لیے بغیر انسان کے جنات زمین پر مادے کے اندر کسی قسم کی کوئی مداخلت نہیں کر سکتے۔ جب تک کے انہیں انسانوں سے مادی قوت حاصل نہ ہو۔

علم جنات کا ہوتا تھا اس علم کو عمل میں لانے کے لیے ہاتھ یعنی قوت انسانوں کی اور کوئی بھی شے وجود میں آتی۔ اس طرح سلیمان علیہ السلام کے لیے جنات انسانوں کے ذریعے جو سلیمان علیہ السلام کو ضرورت ہوتی تھی بناتے تھے۔ یعنی جسے آج ہم ٹیکنالوجی کا نام دیتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان آیات میں کہا کہ وہ ان سب کاموں میں سے جس کی اللہ کا قانون جب اور جہاں اجازت دیتا سلیمان علیہ السلام کے لیے کرتے تھے یعنی وہ ان کاموں میں مہارت رکھتے تھے۔ پھر آیت میں جو لفظ تمثیل استعمال ہو جس کے معنی ہیں کہ پہلی قوموں کے پاس اس طرح کے جو بھی وسائل تھے جسے ہم ترقی کا نام دیتے ہیں ان کی نقل یعنی دوبارہ اس طرح کی بنانے کی بھی ان میں صلاحیت تھی۔ جس سے بلکل صاف واضح ہو جاتا ہے کہ یہ جنات بنیادی طور وہی تھے جو اس سے پہلے دنیا میں چھ بار انسانوں کو ٹیکنالوجی کے نام پر اللہ سے باغی بنا چکے تھے۔ جس ٹیکنالوجی کی وجہ سے چھ بار دنیا بڑے عذابوں کی لپیٹ میں آچکی ہے۔

کیونکہ قرآن یہ بلکل واضح کہتا ہے کہ یہ شیاطین تھے یعنی یہ اللہ کے غلام نہیں تھے یہ سرکش جنات تھے اور سلیمان علیہ السلام نے انہیں قید کیا ہوا تھا۔ یہ مجبوراً سلیمان علیہ السلام کے لیے کام کر رہے تھے۔ بہر حال اس پر مزید بات آگے یا جوج اور ماجوج کے موضوع پر ہوگی۔

ان آیات سے تو کسی بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ ذالقرنین کون تھے۔

کیونکہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کو ان سب اشیاء کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی جو یہ جنات سلیمان علیہ السلام کے لیے ان کی قوت سے بناتے تھے؟

قرآن نے تو جواب بلکل واضح کر دیا کہ ضرورت محسوس تب ہی ہوتی تھی جب سلیمان علیہ السلام زمین پر فساد کو ختم کرتے اور اس کے اصلاح کرتے تھے۔ لوہے، تانبے، اور جن اشیاء کا ان آیات میں ذکر کیا گیا ان کی ضرورت تو قرآن بتا رہا ہے کہ



ایک موقع پر ضرورت پڑی جب اس سد کو تعمیر کرنا تھا۔ اور پھر ذالقرنین کون ہو سکتے ہیں؟

اس سوال کا جواب بھی بالکل کھول کر بیان کرتا ہے کہ ”**لَا ذَا الْقَرْنَيْنِ إِلَّا نَبِيُّ اللَّهِ سَلِيمَانُ عَلَيْهِ**

**السلام**“ نہیں ہیں ذالقرنین علیہ السلام مگر اللہ کے نبی سلیمان علیہ السلام ہی ذالقرنین ہیں۔ سلیمان علیہ السلام ہی ذالقرنین ہیں اگر سلیمان علیہ السلام ذالقرنین نہیں تو پھر ذالقرنین ہیں ہی نہیں۔

س ۴۔ اتنی بڑی مقدار میں لوہے اور تانبے کو وہاں منتقل کیسے کیا گیا؟

اس سوال کے جواب کے لیے ہم جب قرآن سے رجوع کریں تو اللہ سبحان و تعالیٰ ہمیں قرآن سے یوں جواب دیتے ہیں۔

**قَالَ يَأَيُّهَا الْمَلَأُوا أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ.**

سلیمان علیہ السلام نے کہا اے وزراء ہے تم میں سے کوئی جو آئے میرے پاس اس کے عرش کیساتھ اس سے پہلے کہ خود ہی آئے سر تسلیم خم کیے ہوئے۔

**قَالَ عَفَرْتُ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَّقَامِكَ ۖ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ.**

جواب دیا ایک عفریت نے جنوں سے میں لا دیتا ہوں تجھے اس کا عرش اس سے پہلے کہ تو کھڑا ہوا اپنی جگہ سے، اور میں اس پر ہوں قوی امانت دار۔

قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ  
 طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي ۖ لِيَبْلُوَنِي ۚ  
 أَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ ۚ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي  
 غَنِيٌّ كَرِيمٌ . النمل

کہا اس نے جس کے پاس علم تھا کتاب سے، میں لا دیتا ہوں تجھے اس سے پہلے کہ پھرے تیری طرف تیری نظر،  
 پس جب دیکھا اس نے پڑا ہوا اس کے پاس کہا یہ فضل سے ہے میرے رب کے۔ میری آزمائش کرنے کے  
 لیے کیا میں اس مقصد کے لیے یہ استعمال کرتا ہوں جس مقصد کے لیے یہ نعمت دی گئی یا میں کفر کرتا ہوں یعنی جس  
 مقصد کے لیے یہ سب عطا کیا گیا اس کے علاوہ اور مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہوں۔ اور جو اللہ کی دی ہوئی  
 نعمتوں کا استعمال اسی مقصد کے لیے کرتا ہے جس مقصد کے لیے دی گئیں تو وہ اپنے لیے ہی ایسا کرتا ہے اور جو کفر  
 کرتا ہے یعنی اس کے علاوہ اور مقاصد کے لیے اللہ کی نعمتوں کا استعمال کرتا ہے پس اس میں کچھ شک نہیں میرا  
 رب غنی کریم ہے یعنی اسے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر فرق پڑتا ہے نقصان ہوتا ہے تو اسی کا ہوگا جو اللہ کی  
 نعمتوں کا اللہ کی ہدایات کے خلاف استعمال کرتا ہے۔

لو ہے اور تانے کی کثیر مقدار کو وہاں کیسے منتقل کیا گیا تو اس کا جواب اللہ سبحان و تعالیٰ نے ان آیات میں دے دیا۔ کہ اللہ سبحان  
 و تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام پر جو فضل کیا جس کے سبب انہوں نے مفسد جنات کو قید کیا اس کے علاوہ اس وقت کے جو  
 سائنسدان تھے جیسے جیسے فتوحات کرتے تو وہاں اگر ایسے لوگ ملتے جو علم میں اس قدر آگے ہوتے یا تو ان مفسدوں کو قتل کر  
 دیتے، کوئی نہ کوئی سزا دیتے اور اگر یہ سمجھتے کہ ان کو قید کر لیا جائے ان سے کوئی فائدہ حاصل ہوگا یعنی اللہ کے دین کی نصرت  
 میں یہ کام آسکتے ہیں تو انہیں قید کر لیتے اور انہیں خلافت کے قائم کردہ اداروں کے حوالے کر دیتے کہ ان سے کام لیا جائے۔



جیسے کہ سلیمان علیہ السلام نے کہا **يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ** اس کے معنی ہیں اے میرے وزراء۔

تو جس محکمے کا کام اشیاء کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ہوتا تھا اس محکمے سے متعلقہ اپنے وزراء کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ یہ کام ہے کون کر سکتا ہے۔ تو اس کا جواب آیا اور پھر وہ کام ہوا بغیر وقت کے۔

ایسا کیسے ہوتا ہے اسے ہم بہت آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

مثلاً آپ نے ایک سو کلومیٹر کا سفر طے کرنا ہے پیدل کریں گے تو ہو سکتا ہے ایک دن یا اس سے بھی زیادہ وقت لگے۔ لیکن اگر آپ وہی سفر سائیکل پر کریں تو ایک دن کی بجائے تقریباً ۵ گھنٹے میں ہو جائے گا۔ اور اگر وہی سفر موٹر سائیکل پر کریں تو پانچ کی بجائے ایک گھنٹے میں۔ اور اگر وہی سفر کار میں کریں تو آدھے گھنٹے سے بھی کم وقت میں اور اگر وہی سفر آپ جیٹ جہاز میں کریں تو اس کے لیے آپ کو چند منٹ لگیں گے۔

اس سے ایک قانون واضح ہوتا ہے۔ کہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ جیسے جیسے رفتار بڑھے ویسے ویسے وقت سکڑتا جاتا ہے۔ اب آپ تصور کریں کہ آپ کی رفتار اتنی تیز ہو جائے کہ وقت تھم جائے تو آپ پیدل ایک دن میں کیا جانے والا سفر صرف وقت میں طے کر لیں گے۔ یعنی وقت لگے گا ہی نہیں۔

اور جب مزید غور و فکر کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا قانون ہے کہ مادہ وقت کی قید سے باہر نہیں نکل سکتا یہاں تک کہ وہ نور میں تبدیل نہ ہو جائے۔ نور پر وقت اثر انداز نہیں ہوتا یعنی نور وقت کی قید سے آزاد ہے۔ تو اگر انسان کے پاس مادے کو نور میں تبدیل کرنے اور نور کو مادے میں تبدیل کرنے کی صلاحیت آجائے تو وہ کسی بھی شے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بغیر وقت کے استعمال سے منتقل کر سکتا ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے ایسے مفسدوں کو قید کیا ہوا تھا جن کے پاس ایسا علم تھا۔ انہیں کہاں سے قید کیا اس کا جواب بھی سورۃ الکہف کی آیات میں موجود ہے جن میں ذالقرنین کا واقعہ مذکور ہے۔ ان آیات میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ایسے علم والے مفسد جنوں اور انسانوں کے حوالے سے ذالقرنین یعنی سلیمان علیہ السلام سے خطاب کیا ہے۔ ان شاء اللہ ہم جب وہاں پہنچیں گے تو اس کی بھی کھل کر وضاحت ہوگی۔

بہر حال ان آیات میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس کا جواب بھی دے دیا کہ ذالقرنین علیہ السلام نے کیسے اس سد کے لیے درکار لاکھوں ٹن لوہے اور تانبے کو دور دراز دشوار ترین پہاڑی علاقے میں منتقل کیا۔ تو آپ سے سوال ہے کہ ذالقرنین کون تھے؟

اس سوال کا جواب بھی بالکل کھول کر بیان کرتا ہے کہ **”لا ذا القرنين الا نبی اللہ سلیمان علیہ“**

**السلام**“ نہیں ہیں ذالقرنین علیہ السلام مگر اللہ کے نبی سلیمان علیہ السلام ہی ذالقرنین ہیں۔ سلیمان علیہ السلام ہی ذالقرنین ہیں اگر سلیمان علیہ السلام ذالقرنین نہیں تو پھر ذالقرنین ہیں ہی نہیں۔

س ۵۔ لوہے کے ٹکڑوں سے اس درے کو بند کرنے کے لیے اتنی بلندی پر لوہے کے ٹکڑوں کو کیسے رکھا گیا؟

س ۶۔ لوہے کے پہاڑ نما سد کو دہکا کر کیسے آگ کی طرح کیا گیا؟

س ۷۔ ظاہر ہے سد کو دونوں طرف دہکا نا لازم تھا تو سد کے دوسری جانے جانا اور واپسی کیسے ممکن ہوئی؟

س ۸۔ اتنی بڑی مقدار میں پگھلے ہوئے تانبے کو کیسے اٹھا کر اتنی بلندی سے اس سد پر انڈھیلا گیا؟

ان سب سوالوں کے جوابات جاننے کے لیے ہمیں پہلے قرآن سے ذالقرنین یعنی سلیمان علیہ السلام سے پہلے گزرنے والی قوموں بلخصوص آل فرعون کے بارے میں جاننا ہوگا۔ کیونکہ اللہ سبحان و تعالیٰ آل فرعون کو غرق کرنے کے بعد کہا۔

**كَمْ تَرَ كُؤًا مِنْ جَنَّتٍ وَعُيُونٍ . الدخان ۲۵**

اس طرح چھوڑ گئے جنتوں یعنی باغات اور چشموں سے

**وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ . الدخان ۲۶**

اور کھیت اور مقام کریم

وَنَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فَاكِهِينَ . الدخان ۲۷  
اور نعمتیں، تھے ان میں مزے کرتے

كَذٰلِكَ ۚ وَ اَوْرَثْنَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ . الدخان ۲۸  
اسی طرح ہوا، اور وارث بنا دیا ہم نے اس کا دوسری قوم کو۔

آل فرعون یہ سب چھوڑ کر گئے تھے اور اللہ سبحان و تعالیٰ نے ان کو غرق کرنے کے بعد ایک دوسری قوم کو اس کا وارث بنا دیا وہ دوسری قوم کون سی تھی اب قرآن سے اس کا جواب حاصل کرتے ہیں۔

فَاٰخَرُ جَنَّتْهُمْ مِّنْ جَنَّتٍ وَعُيُوْنٌ . الشعراء ۵۷  
پس نکال دیا ہم نے انہیں باغات سے اور چشموں سے

وَكُنُوْزٍ وَمَقَامٍ كَرِيْمٍ . الشعراء ۵۸  
اور خزانوں اور مقام کریم سے

كَذٰلِكَ ۚ وَ اَوْرَثْنَهَا بَنِيْ اِسْرَآءِيْلَ . الشعراء ۵۹  
اسی طرح۔ اور وارث بنا دیا ہم نے اس کا بنی اسرائیل کو

قرآن کے اس مقام پر اللہ سبحان و تعالیٰ نے مزید واضح کر دیا کہ وہ دوسری قوم جسے آل فرعون کے چھوڑے ہوئے مال و متاع وغیرہ کا وارث بنایا وہ بنی اسرائیل تھے۔ اور بنی اسرائیل سے مقام کریم اللہ سبحان و تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو عطا کیا اور سلیمان علیہ السلام کو داؤد علیہ السلام کا وارث بنادیا۔ یوں بنی اسرائیل سے سلیمان علیہ السلام کو اللہ سبحان و تعالیٰ نے آل فرعون کے چھوڑے ہوئے خزانوں وغیرہ اور مقام کریم کا وارث بنایا۔

اب ہم نے جاننا ہے کہ آل فرعون اپنے پیچھے کیا کچھ چھوڑ کر گئے تھے جس سے ہمیں یہ بھی اندازہ ہو جائے گا کہ آل فرعون کے علاوہ باقی جو قومیں گزریں جن کا انجام عبرت ناک ہوا وہ کیا چھوڑ کر گئے۔ جس کے لیے اللہ سبحان و تعالیٰ کہتے ہیں۔

**كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ . ص ۱۲**

جھٹلایا ان سے پہلے قوم نوح نے اور عاد نے اور فرعون اوتاد والے نے۔

**وَتَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَبُ الْيُكَةِ ط أُولَئِكَ الْأَحْزَابُ . ص ۱۳**

اور تمود نے اور قوم لوط نے اور ایکہ والوں یعنی قوم شعیب نے، یہی ہیں گروہ۔

باقی قوموں کے بارے میں آگے ان کے موضوع کی مطابقت ان کے مقام پر بات ہوگی موضع کے اعتبار سے یہاں ہمیں آل فرعون کے بارے میں جاننا ہے جو وہ چھوڑ کر گئے اور اللہ سبحان و تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس کا وارث بنادیا اور بنی اسرائیل کو داؤد علیہ السلام کے ذریعے وارث بنایا اور سلیمان علیہ السلام کو داؤد علیہ السلام کا وارث بنادیا۔ اللہ سبحان و تعالیٰ کہتے ہیں۔

**وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ . ص ۱۱**

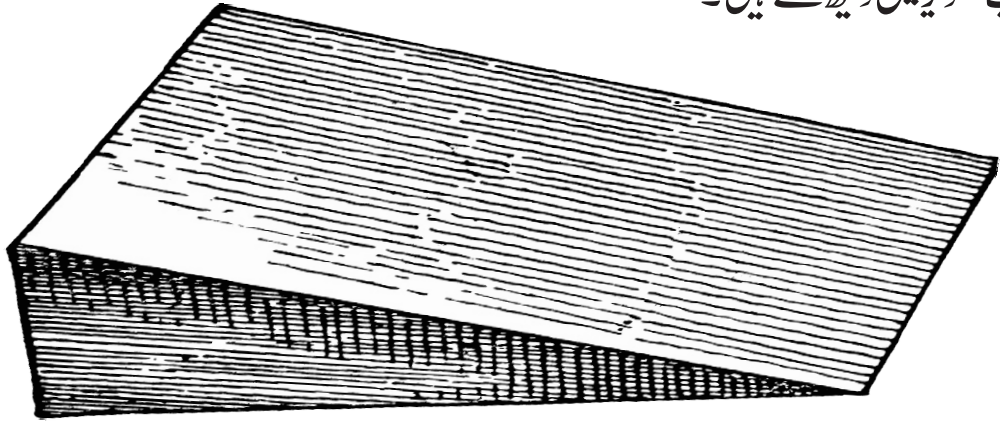
اور فرعون اوتاد یعنی پھانوں والا

## وَفِرْعَوْنُ ذِي الْأَوْتَادِ. الفجر ۱۰

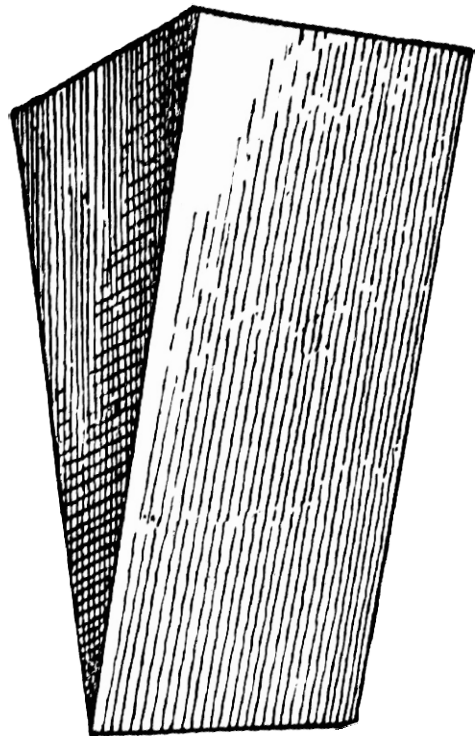
اور فرعون اوتاد یعنی پھانوں والا

اوتاد جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد ”وتد“ ہے۔ اور اس کے معنی اردو میں پھانہ، فانہ، تگنہ وغیرہ کے ہیں اور انگلش میں اسے Wedge کہتے ہیں۔

اسے آپ تصویر میں دیکھ سکتے ہیں۔

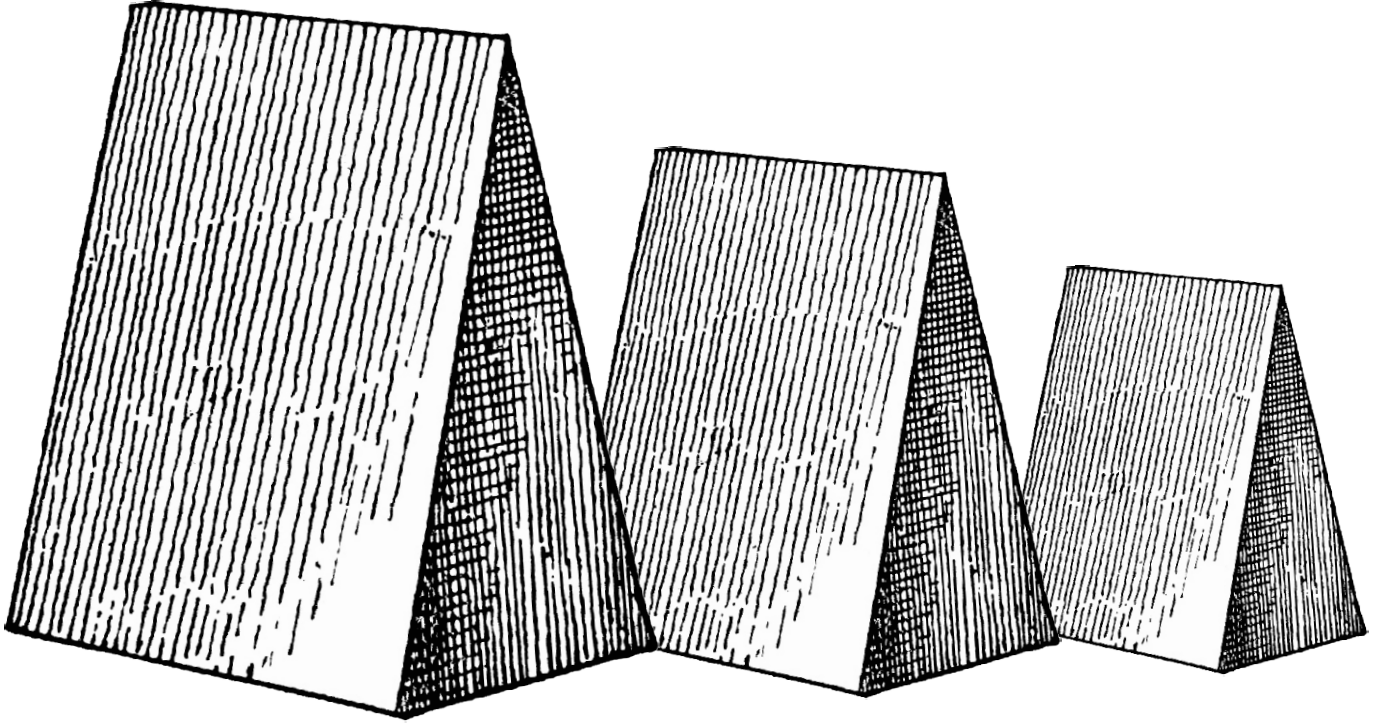


اگر اسے کا رخ زمین کی طرف کیا جائے تو یہ گاڑھنے والی شے بن جائے گی۔ جیسے کہ تصویر میں دیکھا جاسکتا ہے۔





جو مضبوطی سے زمین میں گڑھ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اگر اسے کسی شے پر رکھ کر اس میں گاڑھا جائے تو اس شے کو یا سامنے والی کسی بھی شے کو چیر پھاڑ دیتا ہے۔ اور اگر اس کا رخ آسمان کی جانب کیا جائے تو یہ ایک پہاڑ کی شکل میں نظر آتا ہے۔ جیسے کہ آپ اس تصویر میں دیکھ سکتے ہیں۔



اور اگر قرآن میں غور کیا جائے تو اللہ سبحان و تعالیٰ نے پہاڑوں کو بھی اوتا دکھا ہے۔

## وَالْجِبَالِ أَوْتَادًا. النبا ۷

اور پہاڑ اوتا یعنی پھانے۔

اور جب ہم پہاڑوں کو دیکھیں تو بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ حقیقت میں پہاڑ پھانے ہی ہیں۔ زمین میں پھانے کی طرح ہی مضبوطی سے گھڑے ہوئے ہیں ایسے کہ غیر متزلزل، اور اوپر کی جانب بھی بالکل پھانے کی طرح ہی نظر آتے ہیں۔ جیسے کہ ہم تصاویر میں دیکھ سکتے ہیں۔

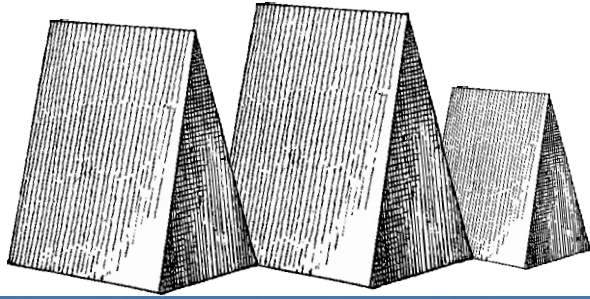




اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے اللہ سبحان و تعالیٰ نے فرعون کو اوتا دوالا کیوں کہا۔ کیا فرعون میں بھی وہی خصوصیات موجود تھیں جو پھانے اور پہاڑوں میں پائی جاتی ہیں؟

ان تمام سوالات کے جوابات اس وقت سامنے آتے ہیں جب ہمیں اس مقام پر انسان کے بنائے ہوئے اوتا د نظر آتے ہیں جہاں فرعون کی حکومت تھی یعنی ملک مصر میں۔ قرآن میں کئی مقامات پر اللہ سبحان و تعالیٰ نے بتا دیا کہ فرعون مصر پر حکومت کرتا تھا۔ اور مصر میں فرعون کے آج بھی آثار موجود ہیں جن میں ایسے آثار جنہیں دیکھ کر انسان چونک جاتا ہے اور جنہیں اللہ نے قرآن میں اوتا د کہا۔





اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کتنا عظیم راز اپنے کلام میں کیسے کھول کر رکھا ہوا ہے۔ کہ مصر میں موجود اوتا و جنہیں ہم اہرام مصر کا نام دیتے ہیں اسی فرعون کے ہیں جسے غرق کر کے ہلاک کیا گیا۔ اور جب ہم ان اوتا و یعنی پھانوں جنہیں اہرام مصر کا نام دیا جاتا ہے پر تحقیق کریں تو آج دنیا کے بڑے بڑے سائنسدان انہیں دنیا کے عجوبوں میں شمار کرتے ہیں۔ اور یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ یہ کیسے تعمیر کیے گئے۔ اتنے بڑے بڑے پتھروں کو کیسے اتنی غیر معمولی صفائی سے تراشا گیا کہ اس طرح تراشنا آج کے جدید ترقی یافتہ دور میں بھی ناممکن ہے۔ حالانکہ ہم بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں۔

پھر ان پتھروں کیسے اٹھا کر اتنی بلندی پر باقاعدہ ریاضی کے علم کے مطابق رکھا گیا۔ جو کہ آج بھی ناممکن ہے۔ اور اس سے بھی غیر معمولی اور نہ سمجھ آنے والا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آس پاس دور دراز تک کہیں پہاڑوں کا نام و نشان نہیں اور الٹا اس کے برعکس وسیع ریگستان ہے تو یہ اتنی بڑی مقدار میں پتھر وہاں تک لائے کیسے گئے۔ اس کے علاوہ آپ خود بھی تحقیق کر سکتے ہیں کہ کتنے ہی لاتعداد سوالات پیدا ہوتے ہیں ان اہراموں کی تعمیر کو لے کر۔ اور دنیا کے بڑے بڑے سائنسدان، علم رکھنے والے یہ تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں کہ یہ کام انسانوں کا ہو سکتا ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ان کی تعمیر انسانوں کا کام نہیں بلکہ کسی اور مخلوق کا کام ہے جو ہماری زمین کے علاوہ کسی اور سیارے سے یہاں آئی جو ہم سے کئی گنا زیادہ غیر معمولی ٹیکنالوجی کی حامل ہے۔



جب قرآن نے روز روشن کی طرح عیاں کر دیا کہ یہ اہرام یعنی یہ اوتاد فرعون کے ہیں تو اس میں کچھ شک نہیں رہتا کہ پھر ان کی تعمیر تو آل فرعون نے ہی کی۔ اور پھر جب آج موجودہ جدید ٹیکنالوجی سے ان کی تعمیر ناممکن ہے اس سے کئی گنا بڑھ کر ٹیکنالوجی سے ہی تعمیر کیے جاسکتے ہیں تو پھر ہمیں یہ اندازہ لگانے میں مشکل نہیں رہتی کہ آل فرعون کتنی غیر معمولی ٹیکنالوجی کے حامل تھے تب ہی وہ ان کی تعمیر کر پائے۔ ان اہراموں کی تعمیر کیسے اور کس مقصد کے لیے کی گئی انشاء اللہ آگے اس پر بھی تفصیل سے بات آئے گی الگ موضوع کے تحت۔

اور پھر یہ سب باتیں اس وقت مزید کھل کر واضح ہو جاتی ہیں جب ان اہراموں میں سے پتھروں پر نقش چونکا دینے والی اور حیران کن تصاویر ملتی ہیں۔  
نیچے تصاویر میں دیکھیں۔



آپ نے ان تصاویر میں دیکھا کہ یہ بالکل ویسے ہی جہازوں کی تصاویر ہیں جیسے آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ جو آج موجود ہیں۔ اور جب ان جہازوں کی تصاویر کا آج موجودہ دور کے جہازوں سے موازنہ کریں تو لگتا ہے کہ آل فرعون کے پاس جو یہ جہاز وغیرہ تھے اور آج کے جہاز یہ ایک ہی علم سے بنائے گئے ہیں۔ ان کے پیچھے ان کے بنانے والے ایک ہی ہیں۔

اور یہ وہ بات تھی جو قرآن میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے کہی کہ سلیمان علیہ السلام کے لیے شیاطین تماثل بناتے تھے۔ جو ٹیکنالوجی

پہلی قوموں کے پاس تھی اسی کی نقل بناتے تھے۔

بہر حال اللہ کی کتاب تو کھول کھول کر بیان کر رہی ہے کہ آل فرعون کے پاس آج موجودہ جدید ٹیکنالوجی سے بڑھ کر کہیں آگے کی ٹیکنالوجی تھی۔ فرعون بھی سفران جہازوں پر کرتا تھا۔ جب آل فرعون کو اللہ نے غرق کیا تو اس کے بعد ان کے چھوڑے ہوئے باغات وغیرہ اور خزانوں کا وارث تو جلد ہی بنی اسرائیل کو بنا دیا لیکن ان کی چھوڑی ہوئی اس ٹیکنالوجی کا وارث اللہ سبحان و تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو بنایا۔ اور سلیمان علیہ السلام دنیا کی تاریخ میں واحد مومن تھے جنہوں نے اللہ کی زمین کے ایک ایک انچ کو فساد سے پاک کیا۔ یہ سب اسباب اللہ سبحان و تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو دیئے ہوئے تھے۔ یہ سب سلیمان علیہ السلام کو اللہ سبحان و تعالیٰ نے کیسے دیا اس پر بات آگے آئے گی۔ ہمیں جن سوالات کے جوابات درکار تھے ہمیں بہت آسانی سے جواب مل سکتے ہیں۔ کہ آل فرعون نے جو اہرام تعمیر کیے ان کی تعمیر کتنی مشکل ہے جو آج ناممکن نظر آتی ہے۔ تو جس ٹیکنالوجی سے اتنے بھاری پتھر اٹھا کر اتنی بلندی پر رکھے گئے۔ تو جب اللہ سبحان و تعالیٰ نے اسی ٹیکنالوجی کا وارث سلیمان علیہ السلام کو بنا دیا تو یہ صرف اور صرف سلیمان علیہ السلام ہی ہو سکتے ہیں جو لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑوں کا پہاڑ کھڑا کر سکتے ہیں اور پھر اسے دہکا کر آگ کر سکتے ہیں اور اس پر ہزاروں ٹن پگھلا ہوا تانبہ ڈال سکتے ہیں۔ جب دنیا کی تاریخ میں صرف ایک ہی ایسی شخصیت گزری جو کہ سلیمان علیہ السلام تھے تو پھر ذالقرنین کوئی اور نہیں وہ صرف اور صرف سلیمان علیہ السلام ہی تھے۔ اور مصر میں موجود اہراموں کی تعمیر کیسے ہوئی یہ راز بھی کھل کر واضح ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے ان پتھروں کو کیسے وہاں لایا گیا تو اس کا جواب بھی پیچھے گزر چکا ہے جیسے سلیمان علیہ السلام کے وزراء میں سے ایک وزیر ملکہ سبا کا تخت لایا۔ اسی طرح لوہے اور تانبے کی لاکھوں ٹن مقدار کو پہاڑوں میں سد کی جگہ تعمیر کیا گیا۔ آل فرعون کی حکومت کے وقت یہ جنات جن کے پاس اتنا وسیع علم ہے وہ آل فرعون کے لیے کام کرتے تھے۔

یہ وہی جنات ہیں جو نوح علیہ السلام کی قوم پر عذاب کی وجہ بنے۔ یعنی قوم نوح بھی ٹیکنالوجی میں بہت بڑھ چکی ہوئی تھی اور اس ٹیکنالوجی کے حصول کے لیے درکار علم انہیں جنات کے پاس تھا۔ اور قوم نوح کے علاوہ باقی قوموں کی تباہی کے پیچھے بھی یہی تھے۔ انہی جنات کے علم کو انسان عمل میں لا کر ٹیکنالوجی بناتا اور اللہ کی کاموں میں مداخلت کرتا رہا اور آج بھی کر رہا ہے۔ اس ٹیکنالوجی کی وجہ سے انسان اللہ کی محتاجی سے نکل کر خود کفیل ہو جاتا اور سمجھتا کہ کائنات کا اصل رب تو یہ نظام ہے جو اس کے کنٹرول میں آچکا یعنی اس ٹیکنالوجی کے دجل کا شکار ہو کر اللہ کی آیات کی تکذیب کرتا۔

جنات چونکہ مادے میں براہ راست مداخلت نہیں کر سکتے الا یہ کہ مادے کو نور یا آگ میں نہ تبدیل کر دیا جائے۔ اور جن امور کو سرانجام دینے کے لیے مادے کو اپنی اصل حالت سے تبدیل نہ کیا جائے ان امور کے لیے جنات اجسام کے محتاج ہوتے



ہیں جس کے لیے آسمانوں اور زمینوں میں صرف انسان واحد ایسی مخلوق ہے جسے وہ اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ اور کرتے آئے ہیں۔ دنیا میں اس سے پہلے چھ بار تباہی آچکی ہے اس کی وجہ بحر و بر میں فساد تھا اور فساد کی وجہ ٹیکنالوجی اور ٹیکنالوجی بنانے کا علم رکھنے والے اور اصل خالق جنات لیکن انسان جنات کے لیے ایک مزدور کی سی حیثیت سے جنات کے امور کو عملی طور پر سرانجام دیتا ہے۔ اور پھر اس کے ہاتھوں سے کیا ہوا فساد ہی اس کی دنیا و آخرت میں تباہی کا باعث بنتا ہے۔ بہر حال کچھ باتیں موضوع سے ہٹ کر ہوں گی۔ ان کی مزید تفصیل موضوع کے اعتبار سے بیان کی جائے گی اللہ کی کتاب کی روشنی میں۔

اس سوال کا جواب بھی بالکل کھول کر بیان کرتا ہے کہ ”**لا ذا القرنین الا نبی اللہ سلیمان علیہ**

**السلام**“ نہیں ہیں ذا القرنین علیہ السلام مگر اللہ کے نبی سلیمان علیہ السلام ہی ذا القرنین ہیں۔ سلیمان علیہ السلام ہی ذا القرنین ہیں اگر سلیمان علیہ السلام ذا القرنین نہیں تو پھر ذا القرنین ہیں ہی نہیں۔

الحمد للہ نہ صرف ذا القرنین علیہ السلام کی شخصیت سے پردہ اٹھ گیا کہ وہ سلیمان علیہ السلام تھے بلکہ سلیمان علیہ السلام نے وہ سد تعمیر کیسے کی سمیت کئی سوالات کے جوابات مل گئے۔ یہ تو قصہ ذا القرنین میں تیسرے سفر کا ایک پہلو تھا جیسا کہ ہم نے اس کے شروع میں ذکر کیا تھا۔ دوسرے پہلو پر بات کرنے سے پہلے انہی لائنوں کو ہم یہاں دوبارہ بیان کرتے ہوئے آگے بڑھیں گے تاکہ ہمیں سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

**سورة الکہف.**

**ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا. ۹۲ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا لَا**

**يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا. ۹۳ قَالُوا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاجُوجَ وَمَاجُوجَ**

**مُفْسِدُونَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ**

سَدًّا. ۹۴ قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا. ۹۵ اَتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ ط حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوا ط حَتَّىٰ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا ۚ قَالَ اَتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا. ۹۶ فَمَا اسْطَاعُوا أَنْ يَّظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا. ۹۷

پھر اس نے اتباع کی اسباب کی۔ یہاں تک کہ پہنچا دور کا وٹوں کے درمیان پایا وہاں ان دونوں کے علاوہ ایک قوم کو جو بات کو سمجھنے کے قریب بھی نہ تھے۔ انہوں نے جواب دیا اے ذالقرنین اس میں کچھ شک نہیں یا جوج اور ماجوج فساد کرنے والے ہیں ارض میں پس کیا ہم مقرر کر دیں تیرے لیے خراج اس پر کہ تو اس سے کر دے ہمارے درمیان اور ان کے درمیان ایک رکاوٹ۔ ذالقرنین نے جواب دیا نہیں جو اختیار دیا مجھے اس میں میرے رب نے وہ خیر ہے پس میری استعانت کرو تو کیسا تھ (یعنی بتاتے جاؤ کہ وہ کن کن دروں سے آتے ہیں تاکہ میں اس حساب سے وہاں سد تعمیر کروں جس سے تمام درے بند ہو جائیں اور اس کے علاوہ زور سے میری استعانت کرو تاکہ میں) کر دوں تمہارے درمیان اور ان کے درمیان رد کرنے والی۔ لاؤ دو مجھے لوہے کے زبر یہاں تک کہ جب مکمل ہو جائے دو تہوں کے درمیان کہا پھونکو یہاں تک کہ جب وہ ہو جائے آگ، کہا لاؤ مجھے دو انڈیل دوں اس پر پگھلا ہوا تانبا۔ پس نہیں استطاعت انہیں کہ اس سے طاہر ہو جائیں اور نہ ہی استطاعت ہے ان کو نقب لگانے کی۔

الحمد للہ کوشش کی کہ ان آیات کا لفظ بہ لفظ بالکل ٹھیک سے معنی کے مطابق ترجمہ کروں لیکن یہ بات ذہن میں رکھی جائے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے ان آیات میں جس رکاوٹ کی تعمیر کے لیے جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ ایسے ہیں کہ ان سے مراد صرف کوئی مادی رکاوٹ یعنی دیوار نہیں ہے اور نہ ہی صرف کوئی غیر مادی دیوار ہے۔ کیونکہ مادی رکاوٹ یعنی دیوار کے لیے عربی میں لفظ ”جدار“ استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں لفظ سد استعمال ہوا ہے جو مادی رکاوٹ اور غیر مادی رکاوٹ سمیت ہر قسم کی رکاوٹ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح ذالقرنین علیہ السلام انہیں کہتے ہیں کہ میں تمہارے درمیان اور ان کے درمیان کر دیتا

ہوں ”ردما“ حالانکہ اگر وہ صرف مادی دیوار ہوتی تو یہاں ”ردما“ کی بجائے **جدار** لفظ کا استعمال کرنا چاہیے تھا اور پھر اگر جدار کا استعمال نہ کرتے کم از کم سد کا لفظ ہی استعمال کرنا چاہیے تھا جو کہ پیچھے استعمال ہوتا رہا لیکن ان دونوں الفاظ کی بجائے ایک تیسرے لفظ کا استعمال کیا ”ردما“ جس کے معنی ہیں جو بھی اس کی طرف آئے اس پر ٹکرا کر پھر جائے یعنی منعکس ہو جائے۔ پھر اسی طرح جن دو رکاوٹوں ”سدین“ کے درمیان وہ رکاوٹ تعمیر کی اس کے لیے بھی لفظ ”سدین“ کا استعمال ہوا ہے۔ حالانکہ جب پورے متن کو سامنے رکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ دو پہاڑی سلسلوں کی بات ہو رہی ہے لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن میں پہاڑوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ ”سدین“ کا لفظ استعمال کیا۔ دو مادی یا غیر مادی رکاوٹیں۔ اس لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ان آیات میں استعمال کردہ الفاظ کو ہم صرف مادیت پر ہی منطبق نہیں کر سکتے ہمیں ان تمام پہلوؤں پر غور و فکر کرنا ہوگا جن کی طرف یہ الفاظ ہماری راہنمائی کریں۔ اس کے علاوہ جو سب سے ضروری بات ہے وہ یہ کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن میں ایک ہی مقام پر کئی کئی واقعات کو ایک ہی واقعے کے طور پر بیان کر دیا۔ اس لیے ان آیات میں اللہ نے جو الفاظ استعمال کیے وہ بالکل کھول کر بتا رہے ہیں کہ ان آیات میں صرف کسی خاص ایک ہی واقعے کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ اس کے علاوہ اس سے متعلق اور بھی واقعات کا اس میں احاطہ کیا گیا ہے خواہ وہ اس کے علاوہ ایک ہی اور کیوں نہ ہو۔

اگر تو اس سد سے مراد صرف یہی ایک سد ہوتی تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ قرآن میں لفظ سد کی جگہ لفظ جدار کا استعمال کرتے۔ جو کہ مخصوص معنی میں استعمال ہوتا ہے اس کے علاوہ اسے کسی اور شے پر منطبق نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے اگر ان آیات میں بات صرف اسی ایک دیوار کی تھی تو پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس کے لیے لفظ جدار کا استعمال کر کے سوالات پیدا ہونے کے تمام رستے بند کر دیتے۔ کیونکہ جدار کے معنی دیوار کے ہیں اور دیوار بھی وہی کام کرتی ہے جو کوئی دوسری رکاوٹ کام کرتی ہے لیکن اسے ہم مادی دیوار کے علاوہ کسی اور دیوار پر منطبق نہیں کر سکتے۔ مثلاً جنات کو روکنے کے لیے اگر دیوار تعمیر کی جائے تو اسے جدار نہیں کہا جاسکتا کیونکہ جنات مادی دیوار سے رکنے والے نہیں۔ اس لیے جس دیوار سے جنات کو روکنا مقصود ہو اس کے لیے پھر ایسا لفظ استعمال کیا جائے گا جو اس دیوار کے معنی کا احاطہ کرے۔

تو ان آیات میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے لفظ سد کا استعمال کیا۔ لفظ سد مادی رکاوٹ، نوری رکاوٹ اور آگ سے بنی ہوئی رکاوٹ سمیت تمام اقسام کی رکاوٹوں کا احاطہ کرتا ہے۔ اس لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے یہاں اس لفظ کو بیان کرنے کی حکمت کو ضرور بالضرور مد نظر رکھنا ہوگا تبھی ہم اللہ کی ان آیات میں چھپے خزانوں کو حاصل کر پائیں۔

اسی طرح ذالقرنین پہنچے سدرین کے درمیان۔ ان دو رکاوٹوں کے لیے بھی اسی لفظ کا استعمال پھر ہمیں اسی کی دعوت دیتا ہے کہ اس سے مراد صرف دو مادی رکاوٹیں نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی رکاوٹیں ہو سکتی ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ مادے کے علاوہ نور سے بنی ہوں، آگ سے یا پھر دونوں سے۔

جیسا کہ ہم نے جان لیا کہ ذالقرنین یعنی سلیمان علیہ السلام نے وہ سد دو پہاڑوں کے درمیان تعمیر کی۔ وہ پہاڑ کس مقام پر تھے ان شاء اللہ اس کی بھی آگے تصاویر کیساتھ راہنمائی کی جائے گی۔

اگر تو ان دو رکاوٹوں سے مراد صرف دو پہاڑ ہوتے جن کے درمیان درے کو بند کیا تو پھر گزشتہ بات کہ یہاں اللہ سبحان و تعالیٰ سدرین کی بجائے لفظ جبال کا استعمال کرتے۔ کیونکہ جبال کے معنی پہاڑ کے ہیں اور جبال کو پہاڑ کے علاوہ کسی اور شے پر منطبق کرنا ناممکن ہے۔ لیکن جب اللہ سبحان و تعالیٰ نے جبال کی بجائے سدرین کا لفظ استعمال کیا تو اس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ اس واقعے میں صرف انہی دو پہاڑوں والی رکاوٹوں کے درمیان پہنچنے کا ذکر نہیں کر رہے بلکہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے ان کے علاوہ اور بھی کچھ رکاوٹیں ہیں جن کے درمیان پہنچنے کا ذکر کر رہے ہیں تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ دو رکاوٹیں کون سی ہیں اور کہاں ہیں۔

اس سوال کا جواب جاننے کے لیے ہمیں ذالقرنین یعنی سلیمان علیہ السلام کے اسی واقعے میں مذکور پہلے دو سفروں کے بارے میں جاننا ہوگا۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَتْلُوا عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا

اور سوال کرتے ہیں تجھ سے ذالقرنین کے بارے کہو میں تلاوت کرتا ہوں تم پر اس سے ذکر

إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا

اس میں کچھ شک نہیں ہم نے حکومت دی تھی اسے زمین میں اور دیئے تھے اسے تمام کی تمام اشیاء سے اسباب

فَاتَّبَعَ سَبَبًا

پس اتباع کی اس نے اسباب کی

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَوَجَدَ عِنْدَهَا  
قَوْمًا<sup>ط</sup> قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّا اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّا اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا

یہاں تک کہ پہنچا سورج کے ڈوبنے کی جگہ پایا اسے ڈوبتے ہوئے گرم چشموں میں اور پایا اس کے پاس ایک قوم کو۔ کہا ہم نے اے ذالقرنین تجھے اختیار ہے کہ انہیں ان کے جرم کی سزا دے اور تجھے اختیار ہے اگر اخذ کرتا ہے ان سے حسن ”احسان“

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ اِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا نُّكَرًا  
کہا اس نے کیوں نہیں، جس نے ظلم کیا پس جلد ہم اسے سزا دیں گے پھر پھیرا جائے گا اپنے رب کی طرف پس وہ اسے دے گا عذاب نکرا

وَاِمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَاءٌ اَلْحُسْنٰی ۚ وَسَنَقُولُ لَهُ مِنْ اَمْرِنَا  
يُسْرًا

اور کیوں نہیں جو ایمان لایا اور اصلاح کرنے والے اعمال کیے پس اس کے لیے ہے اس کا بدلہ احسان کا، اور جلد ہم کہیں گے اس کے لیے ہمارے کام سے جو آسان ہے۔

ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا

پھر اس نے اتباع کی اسباب کی



حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلَىٰ قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَهُم مِّنْ دُونِهَا سِتْرًا

كَذَلِكَ ۖ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا

یہاں تک کہ پہنچا سورج طلوع ہونے کی جگہ، پایا وہاں اس نے طلوع ہوتے اس قوم پر نہیں کیا تھا ہم نے ان کے لیے اس کے علاوہ ستر، اور اُسی طرح کیا۔ اور تحقیق گھیر لیا ہم نے اس کیساتھ جو اس کے پاس خبر تھی۔

الحمد للہ پہلی دو آیات کی وضاحت تو گزشتہ پہلو میں گزر چکی ہے۔ اس لیے ہم براہ راست پہلے سفر پر بات کریں گے۔

فَاتَّبَعَ سَبَبًا

پس اتباع کی اس نے اسباب کی

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۖ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّا اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّا اَنْ تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا

یہاں تک کہ پہنچا سورج کے ڈوبنے کی جگہ پایا اسے ڈوبتے ہوئے گرم چشموں میں اور پایا اس کے پاس ایک قوم کو۔ کہا ہم نے اے ذالقرنین تجھے اختیار ہے کہ انہیں ان کے جرم کی سزا دے اور تجھے اختیار ہے اگر اخذ کرتا ہے ان سے حسن ”احسان“

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا نُّكَرًا

کہا اس نے کیوں نہیں، جس نے ظلم کیا پس جلد ہم اسے سزا دیں گے پھر پھیرا جائے گا اپنے رب کی طرف پس وہ اسے دے گا عذاب نکرا

وَأَمَّا مَنْ أَمِنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءٌ الْحُسْنَىٰ ۖ وَسَنَقُولُ لَهُ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا

اور کیوں نہیں جو ایمان لایا اور اصلاح کرنے والے اعمال کیے پس اس کے لیے ہے اس کا بدلہ احسان کا، اور جلد ہم کہیں گے اس کے لیے ہمارے کام سے جو آسان ہے۔

ویسے تو اتباع کی وضاحت پہلے مرحلے میں گزر چکی ہے لیکن یہاں دوبارہ اس کا بھی ذکر کر دیتے ہیں تاکہ کہیں بھی سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا. الکھف ۹۲  
پھر اس نے اتباع کی اسباب کی

اتباع کہتے ہیں کسی کے پیچھے چلنا خواہ وہ علمی طور پر یا عملی و فعلی طور پر۔ اسے ہم قرآن سے ہی سمجھ لیتے ہیں۔

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطَانُ. البقرة ۱۰۲  
اور وہ اس کے پیچھے چلتے تھے جو تلاوت کرتے تھے شیاطین۔

وَاتَّبَعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ. یونس ۱۰۹

اور پیچھے چل اس کے جو وحی کیا جاتا ہے تیری طرف

ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ. آل عمران ۴۴

یہ نبی یعنی خبر ہے غیب سے (یعنی جو تم سے چھپا ہوا ہے اس سے) ہم وحی کرتے ہیں تیری طرف۔

ان کے علاوہ قرآن میں درجنوں آیات ہیں جنہیں آپ دیکھ سکتے ہیں ہم نے صرف بات کو سمجھنے کے لیے ان آیات کو سامنے رکھا۔ اتباع خبر کی بھی کی جاتی ہے۔ یعنی کہیں سے خبر ملی اور اس پر عمل کرتے ہوئے اس کے پیچھے چل پڑنا۔ تلاوت کی بھی اتباع کی جاتی ہے اور تلاوت کہتے ہیں پڑھ کر سننا یا بتانا، سننے والے کا سن کر اس کے پیچھے چلنا یعنی اس پر عمل کرنا اتباع کہلاتا ہے۔ اگر کسی کو کوئی عمل کرتے دیکھنا اور دیکھ کر اسی کی طرح عمل کرنا اس کے پیچھے چلنا یعنی اتباع کرنا کہلاتا ہے۔ یعنی کسی بھی لحاظ سے کسی کے پیچھے چلنا اتباع کرنا کہلاتا ہے۔

ذالقرنین یعنی سلیمان علیہ السلام کو اللہ سبحان و تعالیٰ نے جو اسباب دیئے تھے انہوں نے ان اسباب کی اتباع کی۔ یعنی اللہ سبحان و تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی منطق کا علم دیا ہوا تھا اور پرندے ان کے لیے مسخر کر دیئے تھے۔ سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کی ذمہ داری لگائی ہوئی تھی کہ وہ زمین پر سفر کریں اور دیکھیں کہ اللہ کی زمین پر کہیں فساد تو نہیں ہو رہا۔ یا جہاں بھی اللہ کی زمین میں اصلاح کی ضرورت ہو تو وہ خبر لائیں۔ اور جب پرندے کہیں سے خبر لاتے تو سلیمان علیہ السلام اللہ کے دیئے ہوئے ان اسباب یعنی پرندوں کی اتباع کرتے جو وہ خبر لاتے اس خبر کے پیچھے جاتے۔ اور پھر جو عمل درکار ہوتا وہ کرتے یعنی جیسے وہاں اصلاح کرنا درکار ہوتی ویسے اللہ کی زمین کو فساد سے پاک کر کے اس کی اصلاح کر دیتے۔ تو اسی طرح حسب معمول ذالقرنین یعنی سلیمان علیہ السلام کے پاس خبر آئی تو اس کی اتباع میں نکلے۔

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ ۖ وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۗ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ ۖ إِنَّمَا أَنْتَ تُعَذِّبُ وَإِنَّمَا أَنْتَ تَتَّخِذُ فِيهِمْ حُسْنًا

یہاں تک کہ پہنچا سورج کے ڈوبنے کی جگہ پایا اسے ڈوبتے ہوئے گرم چشموں میں اور پایا اس کے پاس ایک قوم

کو۔ کہا ہم نے اے ذالقرنین تجھے اختیار ہے کہ انہیں ان کے جرم کی سزا دے اور تجھے اختیار ہے اگر اخذ کرتا ہے ان سے حسن ”احسان“

اس خبر کی اتباع میں وہ سورج کے غروب ہونے کے مقام پر پہنچے اس مقام کی اللہ سبحان و تعالیٰ نے ایک نشانی بیان کر دی۔ ویسے تو سورج کے غروب ہونے کا مقام بھی ایک نشانی ہے لیکن صرف اس سے مقام کا اندازہ لگانا ممکن ہے کیونکہ سورج کا غروب مقام سے انسان کے مقام سے تعلق رکھتا ہے جہاں انسان کھڑا سورج کو دیکھ رہا ہوتا ہے یا اس لیے انسان کو سورج غروب ہوتا نظر آ رہا ہوتا ہے حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ سورج غروب ہوتا ہی نہیں اس وجہ سے صرف یہی ایک نشانی کافی نہیں ہے اس لیے اللہ سبحان و تعالیٰ نے ایک مخصوص نشانی بیان کر دی۔ کہ اس مقام پر گرم پانی کے چشمے ہیں۔ عَيْنٍ حَمِئَةٍ دونوں الفاظ کے نیچے دو دوزیریں اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ کوئی ایک گرم چشمہ نہیں بلکہ ایک سے زائد گرم چشمے ہیں اس مقام پر لیکن ان چشموں کا بنیادی مقام یا بنیادی وجہ جسے جڑ بھی کہا جاتا ہے ایک ہی ہے۔ وہاں انہوں نے ایک قوم کو پایا۔ اور اللہ سبحان و تعالیٰ نے کہا اے ذالقرنین تجھے اختیار ہے کہ انہیں عذاب دے۔ یہاں لفظ تَعَذِّب استعمال ہوا ہے۔ عذاب کہتے ہیں سزا کو اور عذاب کے شروع میں ”ت“ کا استعمال یہ واضح کرتا ہے کہ سزا کے پیچھے کچھ نہ کچھ عوامل موجود تھے یعنی اس قوم کا کوئی جرم تھا۔ وہ عوامل یعنی جرم کیا ہو سکتا ہے اس کا اندازہ لگانا بالکل بھی مشکل نہیں۔ کیونکہ اللہ سبحان و تعالیٰ کہہ رہے ہیں کہ ہم نے اسے زمین میں اختیار دیا تھا یعنی زمین میں حکومت دی تھی۔ ذالقرنین علیہ السلام اللہ کی پوری زمین پر حکمرانی کر رہے تھے۔ وہ اللہ کے خلیفہ تھے۔ اور خلیفہ کا کام ہے مالک کی املاک کی حفاظت کرنا انہیں فساد سے بچانا۔ تو اس قوم کا جرم یہ تھا کہ وہ اللہ کی زمین میں فساد کرتے تھے یعنی زمین میں اللہ کی مخلوقات کو ان کے مقام سے ہٹاتے تھے ان کے مقامات میں تبدیلیاں کرتے تھے عیوب، خرابیاں و خامیاں پیدا کرتے تھے۔

اللہ سبحان و تعالیٰ نے اس قوم کے اس جرم کی سزا کا اختیار ذالقرنین ”سلیمان علیہ السلام“ کو دے دیا۔ کہ سزا دین یا اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا کہ ان میں احسان اخذ کریں۔ ان الفاظ کو سامنے رکھ کر اگر وضاحت کی جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے۔ کہ اس قوم کے پاس علم تھا جسے وہ عمل میں لا کر اللہ کی مخلوقات کے مقام میں تبدیلیاں کرتے تھے یعنی فساد کرتے تھے۔ وہ اسے عمل میں کیسے لاتے اسے آج کے دور کو سامنے رکھ کر بالکل واضح سمجھنا جاسکتا ہے۔ کہ وہ ٹیکنالوجی کے نام پر فساد کے مرتکب ہوتے تھے۔ جنہیں ہم سائنسدان کہتے ہیں وہ لوگ تھے۔



سلیمان علیہ السلام کے وقت اس دوران سلیمان علیہ السلام کے علاوہ مختلف خطوں کے حکمران جہاں ابھی سلیمان علیہ السلام کی حکومت نہیں پہنچی تھی کے پاس بھی ٹیکنالوجی تھی جدید اسلحہ و بارود تھا۔ تو ان سے جنگ کے لیے ان کے مقابلے پر یا پھر ان سے بہتر اسلحے و بارود کی ضرورت تھی۔ جس کے لیے وہ قوم سلیمان علیہ السلام کے لیے بہت کارآمد تھی۔ وہ ان کے ذریعے اللہ کی مخلوقات کو فساد سے بچا کر ان پر احسان کر سکتے تھے۔ تو یہی اللہ سبحان و تعالیٰ نے کہا کہ تجھے اختیار ہے کہ اگر تو ان سے وہ کچھ بنوانے کے لیے انہیں سزا نہ دے اور پاس رکھ لے جس سے دنیا میں فساد کو ختم کرنے میں تجھے مدد ملے تو تو اس فیصلے میں آزاد ہے۔

تو سلیمان علیہ السلام نے اللہ کو اس کا جواب یوں دیا۔

**قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نَعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰی رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا نُّكَرًا**

کہا اس نے کیوں نہیں، جس نے ظلم کیا پس جلد ہم اسے سزا دیں گے پھر پھیرا جائے گا اپنے رب کی طرف پس وہ اسے دے گا عذاب نکر

**وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَاءٌ اَلْحُسْنٰی ۚ وَسَنَقُولُ لَهُ مِنْ اَمْرِنَا**

**یُسْرًا**

اور کیوں نہیں جو ایمان لایا اور اصلاح کرنے والے اعمال کیے پس اس کے لیے ہے اس کا بدلہ احسان کا، اور جلد ہم کہیں گے اس کے لیے ہمارے کام سے جو آسان ہے۔

کہ جس نے ظلم کیا اسے تو سزا ضرور دی جائے گی۔ ظلم کہتے ہیں کمی کرنے کو جو کہ کہیں بھی، کسی بھی شے میں کسی بھی سطح پر ہو سکتی ہے۔ مثلاً اللہ نے اگر کچھ احکامات دیئے ان میں سے کچھ پر عمل کرنا اور کچھ پر نہ کرنا یہ بھی ظلم کہلائے گا۔ اللہ کی مخلوقات کے مقام میں کسی بھی قسم کی کمی کرنا یہ بھی ظلم کہلائے گا۔ فساد ظلم ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یعنی ظلم فساد کا سبب بنتا ہے۔ اسی طرح جیسے جیسے غور کرتے جائیں ظلم کے معنی وسیع ہوتے چلے جائیں گی۔ لیکن یہاں ہم نے اس فرق کو سامنے رکھا ہے کہ یہاں

ایک خلیفہ کی بات ہو رہی ہے اور یہ ظلم اسی نوعیت کا ہے جو آج زمین میں کیا جا رہا ہے ٹیکنالوجی کیساتھ۔

تو یہ ہے کہ جس نے ظلم کیا اس کو تو ضرور اس کے جرم کی سزا دی جائے گی۔ اب سلیمان علیہ السلام سزا کیا دیتے تھے جو اللہ کی کتاب سے واضح ہوتا ہے وہ جرم کو سامنے رکھ کر اس کے مطابق قتل یا پھر قید یا مشقت۔ قید کر دیا جاتا اور قید کے دوران جہاں بھی اللہ کی زمین پر کہیں کام کرنے والوں کی ضرورت ہوتی تو ان سے وہ کام لیا جاتا۔ اس کی بھی ان شاء اللہ اللہ کی کتاب سے آگے مزید وضاحت آجائے گی۔ لیکن وہ ایک فرق ضرور کرتے کہ آیا کوئی دجل کا شکار ہو کر فساد کا مرتکب ہو رہا ہے یا پھر علم ہونے کے باوجود اپنی خواہشات کی اتباع میں ظلم کر کے زمین میں فساد کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اس فرق کو سامنے رکھتے ہوئے سزا دیتے کہ جن پر اتمام حجت ہو چکا ان کی سزا تو جو اللہ نے قرآن میں بیان کر دی یعنی جوزمین میں فساد کرتے ہیں جو ان کی سزا اللہ نے مقرر کر دی انہیں وہ دی جاتی اور جو علم کے بغیر دجل و دھوکے کا شکار ہو کر کہ ہم تو انسانیت کی خدمت کر رہے ہیں کے نام پر دجل کا شکار ہو کر ظلم کے ذریعے زمین میں فساد کے مرتکب ہو رہے تھے ان پر حق واضح کر کے ایمان لا کر عمل صالح کرنے کا موقع ضرور فراہم کرتے۔

اور جو ایمان لایا اور اصلاح کرنے والے عمل کیے تو اس کو اس کے احسان کا بدلہ دیا جائے گا۔

**صَالِحًا۔** اس کا مادہ ”صل“ ہے جس کے معنی کسی بھی شے کو اس کے مقام پر رکھنا جس سے اس میں توازن قائم ہو جائے، اور اس کی ضد فساد ہے جس کا مادہ ”فسد“ ہے جس کے معنی کسی بھی شے کو اس کے مقام سے ہٹا دینا یا اس میں تبدیلی کر دینا جس سے شے کا توازن بگڑ جاتا ہے جو فساد کہلاتا ہے اور فساد کے نتیجے میں تباہی آتی ہے۔

اصلاح کرنے والے کام کی ضرورت وہیں پیش آتی ہے جہاں فساد ہو یعنی اصلاح تو خراب شے کی کی جاتی ہے۔ اس آیت میں پہلے ایمان لانے کا ذکر ہے یعنی کہ پہلے وہ کافر تھے کفر کرتے تھے۔ کہ ایسا نظام قائم تھا جس میں کچھ تو علم ہونے کے باوجود اس نظام کا حصہ بن کر فساد کر رہے تھے اور کچھ سائنسدان وغیرہ ایسے بھی تھے جن پر حقیقت تو واضح نہیں تھی وہ اپنے پیٹ کی خاطر یاد دھوکے میں آ کر فساد کر رہے تھے کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں جیسا کہ قرآن میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کہا ہے۔ اس نظام کے قائم کرنے اور چلانے والوں نے انہیں یہ بتا کر دھوکے میں رکھا ہوا تھا کہ ہم تو اصلاح کر رہے ہیں۔ جیسے کہ آج اصلاح کے نام پر ترقی کے نام پر ٹیکنالوجی بنا کر فساد کیا جا رہا ہے اور دعوے اصلاح کے کیے جاتے ہیں۔

تو جو علم ہونے کے باوجود ایسا کرتے تھے ان کے جرم کے مطابق ان کو سزا دی جاتی اور جو دھوکے میں آ کر اس نظام کا حصہ بن کر فساد کر رہے تھے جب ان پر حق واضح ہو گیا تو ان کے لیے سب سے بہتر رستہ یہی تھا کہ وہ ایمان لے آئیں کیوں کہ علم

رکھنے والے انسان کے لیے حق کو پہچاننا اس وقت تک مشکل ہوتا ہے جب تک کہ اس سے حق کو چھپا دیا جائے خواہ کسی منفی پروپیگنڈے کے ذریعے جیسے آج دجال میڈیا کے ذریعے حق کے خلاف دن رات زہرا گل رہا ہے اور اہل حق کو شیطان بنا کر اور شیطانوں کو مصلحین بنا کر پیش کر رہا ہے۔

تو یہ ہے کہ اگر ایمان لے آئیں اور اصلاح کرنے والے کام کریں تو ان کے لیے اپنے کام سے آسان کر دیتے یعنی سلیمان علیہ السلام انہیں میں سے پھر وزراء بنا دیتے۔ جیسے کہ ملکہ سبا کا تخت لانے والا واقعہ ہے اس میں جو سلیمان علیہ السلام کے وزراء تھے وہ اسی طریقے سے سلیمان علیہ السلام کو ملے تھے اور یہیں سے ملے تھے۔ کیونکہ جب سلیمان علیہ السلام ملکہ سبا کا تخت لانے کے لیے اپنے وزراء سے پوچھتے ہیں تو پہلے ایک جن کہتا ہے کہ وہ یہ کام کر سکتا ہے لیکن قرآن نے اس جن کو عفریت کہا ہے جس کے معنی دھوکے باز، ایمانت میں خیانت کرنے والا، جھوٹا، مکار، چالاک وغیرہ کے ہیں یعنی کہ حقیقت میں کافر لیکن جان بچانے کے لیے ایمان کا لبادہ اوڑا ہوا تھا منافق تھا۔ مگر اسے بھی وزیر بنایا ہوا تھا اس لیے تاکہ وہ یہ سمجھتا رہے کہ اس کی حقیقت کا سلیمان علیہ السلام کو علم نہیں اور وہ اسے مومن ہی سمجھ رہے ہیں لیکن قرآن نے بہت صراحت کیساتھ بتا دیا کہ سلیمان علیہ السلام نے اس کو لانے کی اجازت نہیں دی بلکہ اس کے علاوہ ایک دوسرا لیکر آیا۔ یہ وزراء سلیمان علیہ السلام کے وہی قیدیوں میں سے تھے جو مغرب و مشرق کی مہمات کے دوران قید کیے تھے۔

ہم الحمد للہ پیچھے بھی جان چکے ہیں اور یا جوج اور ماجوج کی شروع میں وضاحت میں بھی جان چکے ہیں اس ساری ٹیکنالوجی کے پیچھے علم جنات کا تھا اور ہے اور اس علم کو عمل میں لا کر اس سے کچھ تیار کرنے کے لیے جو مادی اجسام کی ضرورت ہوتی جنوں کو اس کے لیے وہ انسانوں کو اپنا آلہ کار بناتے تھے اور آج بھی یہی کر رہے ہیں۔ جیسے انسانوں میں کم یا زیادہ ذہانت رکھنے والے لوگ ہیں اسی طرح جنات کا معاملہ بھی ہے۔ اب اگر مفسد جنات کی تعداد بہت زیادہ ہوگی اور ان کو سزا دی جائے گی جس کے لیے انہیں اگر قید کیا جائے گا تو ضروری نہیں کہ انہیں کہیں اپنے پاس قید کیا جائے بلکہ ان میں سے ان کو اپنے پاس قید کیا جائے گا جن سے کوئی کام لینا مقصود ہوگا ورنہ باقی جو عام اکثریت ہے ان کو جہاں وہ ملے وہیں قید کیا جائے گا۔ تو ذالقرنین ”سلیمان علیہ السلام“ نے بھی یہی کیا مفسد جنات کی اکثریت کو اسی مقام پر قید کر دیا اور جو ان میں بڑے علم والے اور بڑے کام کرنے کے لائق تھے انہیں قید کر کے ساتھ لے آئے۔ جن سے کام لیے جاتے۔ اسی طرح انسانوں میں سے بھی جو بڑے بڑے مفسد سائنسدان شیطان ہوتے انہیں قتل اور جو ایمان لے آتے انہیں ساتھ لے آتے اور جو ایمان والے نہ ہوتے اور انہیں قتل بھی نہ کرتے تو انہیں قید کر کے ساتھ لے آتے۔ اور ان سے پھر کام لیتے۔ اسلحہ و بارود وغیرہ سمیت جو کچھ



بھی بنوانا مقصود ہوتا جس سے اللہ کا دین قائم ہو اور زمین فتنے و فساد سے پاک ہو جائے وہ کام لیتے۔ جنات کو جب قید کرنا تھا تو ظاہر ہے ان کے لیے کوئی مادی رکارت کچھ فائدہ نہیں دے گی۔ جنات کو قید کرنے کے لیے وہی سد بنائی جائے گی جو انہیں روک سکے جو آگ، نور یا دونوں سے بنے گی۔ اس لیے اللہ سبحان و تعالیٰ نے تیسرے سفر کو بیان کرنے والی آیات میں۔ جدار اور جبال کی جگہ سد کا لفظ استعمال کیا۔

ذالقرنین ”سلیمان علیہ السلام“ سورج کے غروب ہونے والے جس مقام پر پہنچے اور جو نشانی اللہ سبحان و تعالیٰ نے بیان کی گرم چشموں والی وہ مکمل طور پر امریکہ جو کفر کی ملکہ ہے میں سمندر میں موجود برمیودہ تکلون والا علاقہ بنتا ہے۔ یعنی کہ برمودہ تکلون میں سلیمان علیہ السلام نے مفسد جنات کو قید کیا تھا۔ اور مفسد جنات جنہیں قرآن میں معشر الجن کہا اللہ نے یہ یا جوج ہیں۔ یا جوج یعنی ایسی خلق جو سخت آگ سے خلق کی گئی اس میں جن کیساتھ شر ہے یعنی جو فساد کرتے ہیں۔

نیچے تصاویر دیکھئے۔





## ذالقرنین علیہ السلام کا دوسرا سفر

ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا

پھر اس نے اتباع کی اسباب کی

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلَىٰ قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَهُم مِّنْ  
دُونِهَا سِتْرًا

كَذَٰلِكَ ۖ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا

یہاں تک کہ پہنچا سورج طلوع ہونے کی جگہ، پایا وہاں اس نے طلوع ہوتے اس قوم پر نہیں کیا تھا ہم نے ان کے لیے اس کے علاوہ ستر، اور اُسی طرح کیا۔ اور تحقیق گھیر لیا ہم نے اس کیساتھ جو اس کے پاس خبر تھی۔

جیسے کسی کیس کی تفتیش کی جاتی ہے تو مجرم سے جو معلومات حاصل ہوتی ہیں ان کی اتباع کی جاتی ہے یعنی پھر ان کے پیچھے ہو کر ان پر عمل کیا جاتا ہے۔ بلکہ اسی طرح جب ذالقرنین ”سلیمان علیہ السلام“ نے مغرب میں اس قوم کو ان کے انجام کو پہنچایا تو ان سے مزید خبریں ملیں۔ پیچھے اسباب کی اتباع کا ذکر ہے تو اس کا مطلب ہے وہاں جو جن اور انسان ایمان لائے اور آپ

کے ساتھ ہو لیے۔ ان کا بھی سلیمان علیہ السلام کے لیے اللہ کے دیئے ہوئے اسباب میں شمار ہو جاتا ہے۔ انہوں نے پھر مزید خبریں دیں جن کی اتباع میں وہ پہنچے جہاں سورج طلوع ہوتا ہے۔ وہاں پایا انہوں نے قوم کو ”قَوْم“ میم کے نیچے دوزیروں کے آجانے سے اس کا مطلب بنتا ہے کہ ایک قوم جو کئی قوموں کی طرح ہے یعنی پھیلی ہوئی قوم یا بکھری پڑی ہے۔ ان میں سے کچھ ایک جگہ پر رہائش پذیر ہیں کچھ اس سے تھوڑا دور، اسی طرح چھوٹے چھوٹے گروہوں، بستیوں میں یا جزیروں وغیرہ کی صورت میں بکھری ہوئی ہے۔ ان پر سورج کو طلوع ہوتا پایا اور اللہ نے ان کے لیے ان کے علاوہ کوئی ستر نہیں کیا تھا۔

**سِترًا۔** اسے ایک مثال سے سمجھ لیجئے۔ کہ اگر آپ انڈیا میں رہتے ہیں تو جب سورج طلوع ہوتا ہے تو جن جن آبادیوں پر آپ سے پہلے طلوع ہوگا یہاں تک کہ آپ پر طلوع ہو جائے تو آپ سے پہلے جن آبادیوں پر سورج طلوع ہوا وہ آپ کے لیے ستر اکھلائیں گی۔

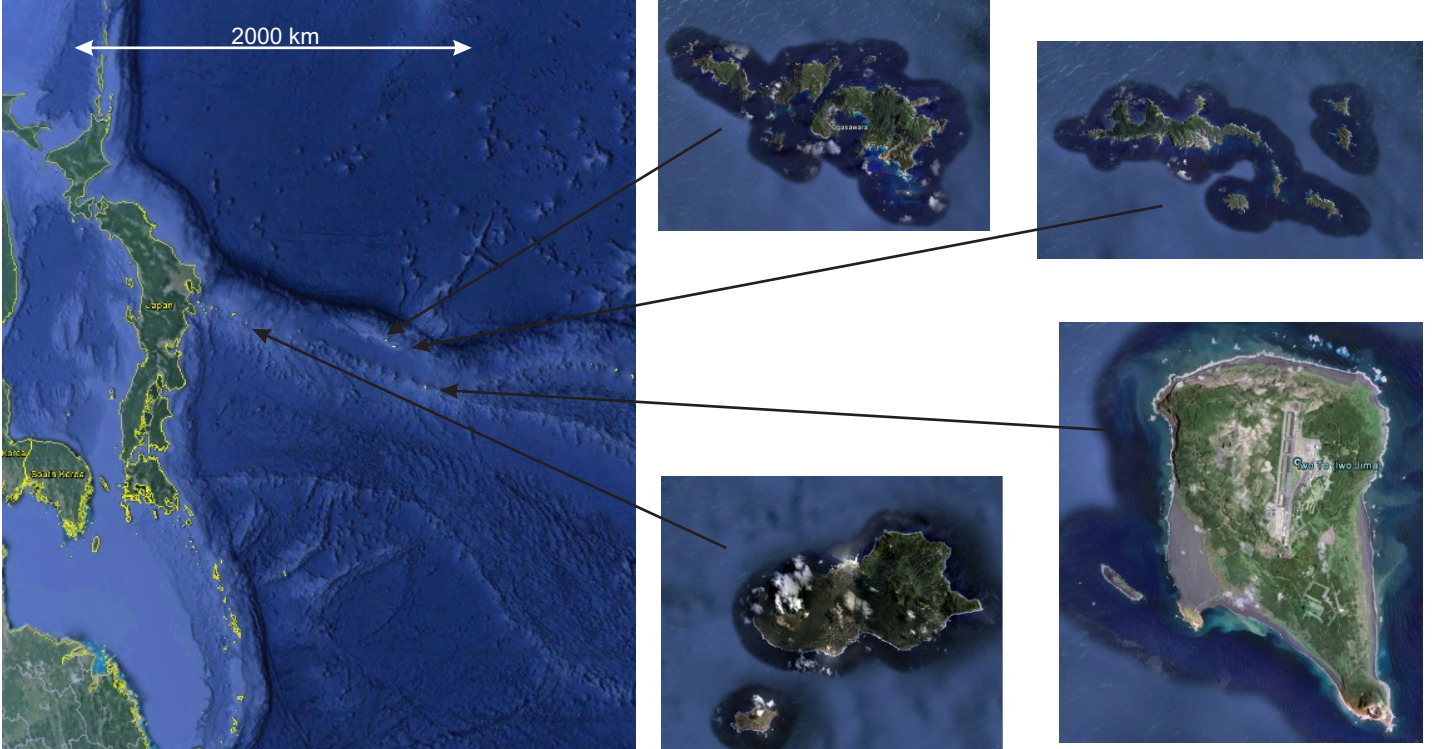
کہ جب سورج طلوع ہوتا تو سب سے پہلے ان پر طلوع ہوتا۔ اور وہ قوم ہی ایک دوسرے کا ستر تھی ان کے علاوہ ان کے لیے اور کوئی ستر نہیں تھا۔ یعنی جب سورج طلوع ہوتا تو ان سے پہلے کسی اور قوم پر سے نہیں گزر کر آتا تھا۔ اسی قوم کے کسی گروہ پر سب سے پہلے طلوع ہوتا، اس کے بعد جن پر سورج طلوع ہوگا وہ بھی اسی قوم کے لوگ ہوں گے اسی طرح ان کے بعد کسی اور دنیا کی قوم پر سورج طلوع ہوتا۔

یہ قرآن کی بہت ہی زبردست اور غیر معمولی نشانی ہے اس مقام کو تلاش کرنے کے لیے۔

کہ ذالقرنین اس مقام تک پہنچ گئے کہ جہاں اس سے آگے آبادی نہیں۔ جب اس سے آگے آبادی نہیں وہی سب سے پہلی آبادی ہے تو پھر اس سے آگے سمندر ہونا چاہیے۔ جب ہم ان نشانیوں کو سامنے رکھتے ہوئے مشرق کا رخ کریں تو ہمارے سامنے ایک ہی قوم ایسی آتی ہے جو ایسی پہلی قوم ہے جن پر سب سے پہلے سورج طلوع ہوتا ہے اور وہی ایک دوسرے کا ستر ہیں نہ کہ کوئی اور قوم ان کا ستر۔ اور وہ ہے جاپانی قوم۔

حیران کن طور پر جاپان کے جھنڈے پر سورج کا نشان ہے جو یہ واضح کرتا ہے کہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ۔ یا ایسی قوم جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔ پھر اس سے زیادہ حیرانگی تب ہوتی ہے جب واقع ہی جاپانی قوم بکھری پڑی ہے جزیروں میں۔ اور وہی ایک دوسرے کا ستر ہیں۔ سبحان اللہ۔

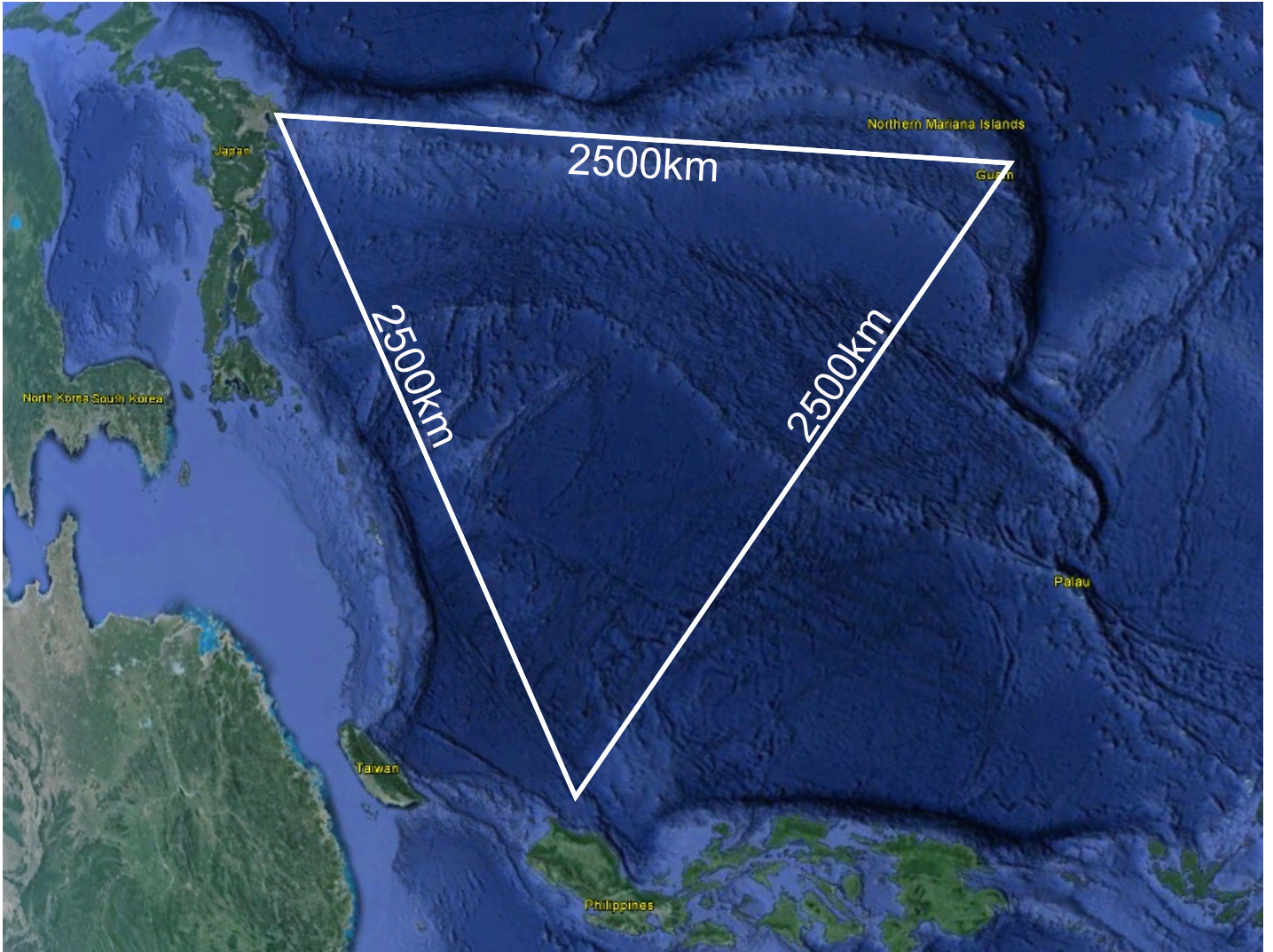
تصاویر میں دیکھئے۔



جاپانی قوم اس وقت مشرق سے مغرب تک دو ہزار سے زائد کلومیٹر کی لمبائی میں چھوٹے بڑے جزائر پر آبادی کی صورت میں پھیلی ہوئی ہے۔ دوسری جنگ عظیم سے پہلے یہی قوم تقریباً تین ہزار کلومیٹر کی لمبائی میں جزائر پر آباد تھی لیکن دوسری جنگ عظیم میں بہت سے جزائر پر امریکہ نے قبضہ کر لیا جواب تک امریکہ کے قبضے میں ہیں اس کے باوجود جب سورج طلوع ہوتا ہے تو سب سے پہلے اسی قوم پر اس کے بعد بھی اسی قوم پر اسی طرح بتدریج پوری جاپانی قوم پر سے سورج گزر کر باقی اقوام پر طلوع ہوتا ہے یوں یہ قوم خود ہی ایک دوسرے کے لیے ستر ہے۔ اور کوئی دوسری قوم ان کا ستر نہیں ہے یعنی سب سے پہلے اسی قوم پر سورج طلوع ہوتا ہے جہاں سے دنیا کی آبادی شروع ہوتی ہے۔



پھر انسان یہ جان کر چونک جاتا ہے کہ جاپان میں بھی ویسا ہی علاقہ ہے جیسا امریکہ میں برمودہ میں ہے۔  
تصاویر میں دیکھیں۔





كَذٰلِكَ ۚ وَقَدْ اَحْطٰنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا

بلکل اُسی طرح کیا، اور تحقیق احاطہ کیا یعنی گھیر لیا ہم نے ساتھ اس کے جو خبر تھی اس کے پاس۔

یعنی یہاں بھی اللہ سبحان و تعالیٰ کہہ رہے ہیں کہ وہی کیا جو مغرب کے سفر کے دوران کیا تھا۔ یہاں سے بھی کچھ ایمان لے آئے۔ کچھ نے ایمان کا لبادہ اوڑھ کر منافقت اختیار کر لی، جن سے کام لینے مقصود تھے انہیں قیدی بنالیا، جنہیں قتل کرنا تھا قتل کیا اور اکثریت کو قید کر دیا۔

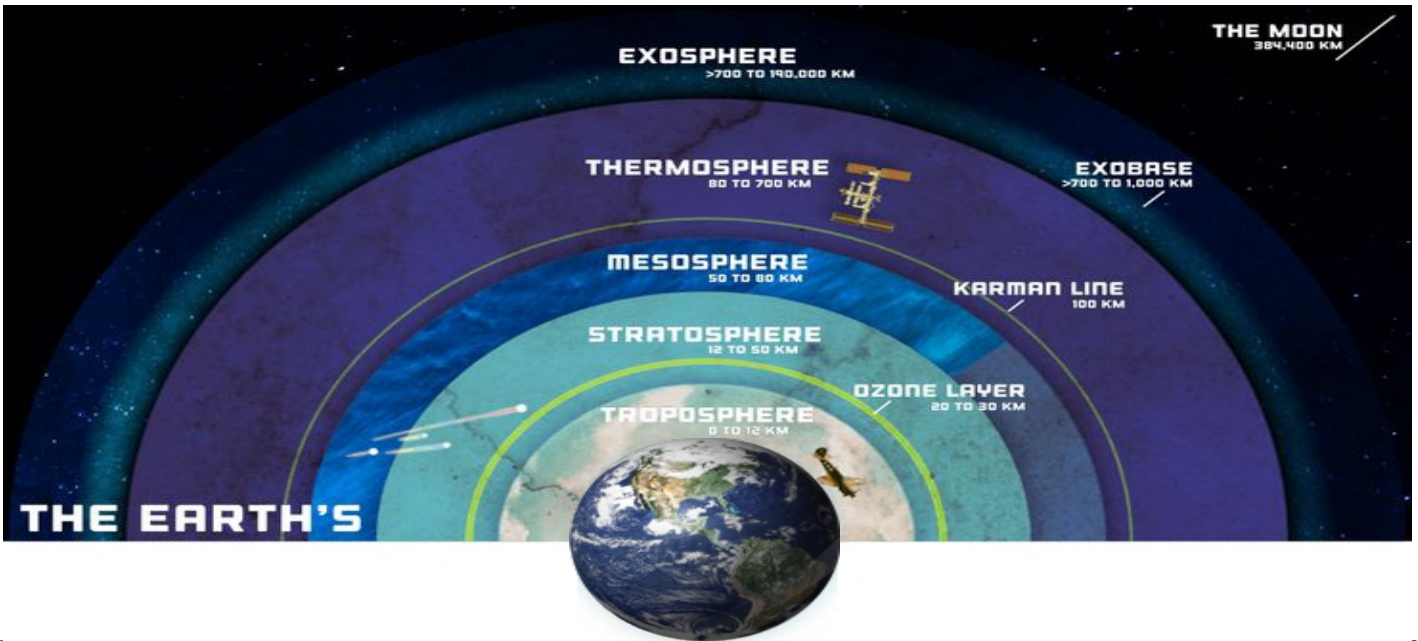
پھر اس آیت میں یہ لفظ **اَحْطٰنَا** جو اللہ سبحان و تعالیٰ نے بیان کیا یہ مزید وضاحت کر دیتا ہے۔ احاطہ کر لیا ہم نے یعنی گھیر لیا ہم نے۔

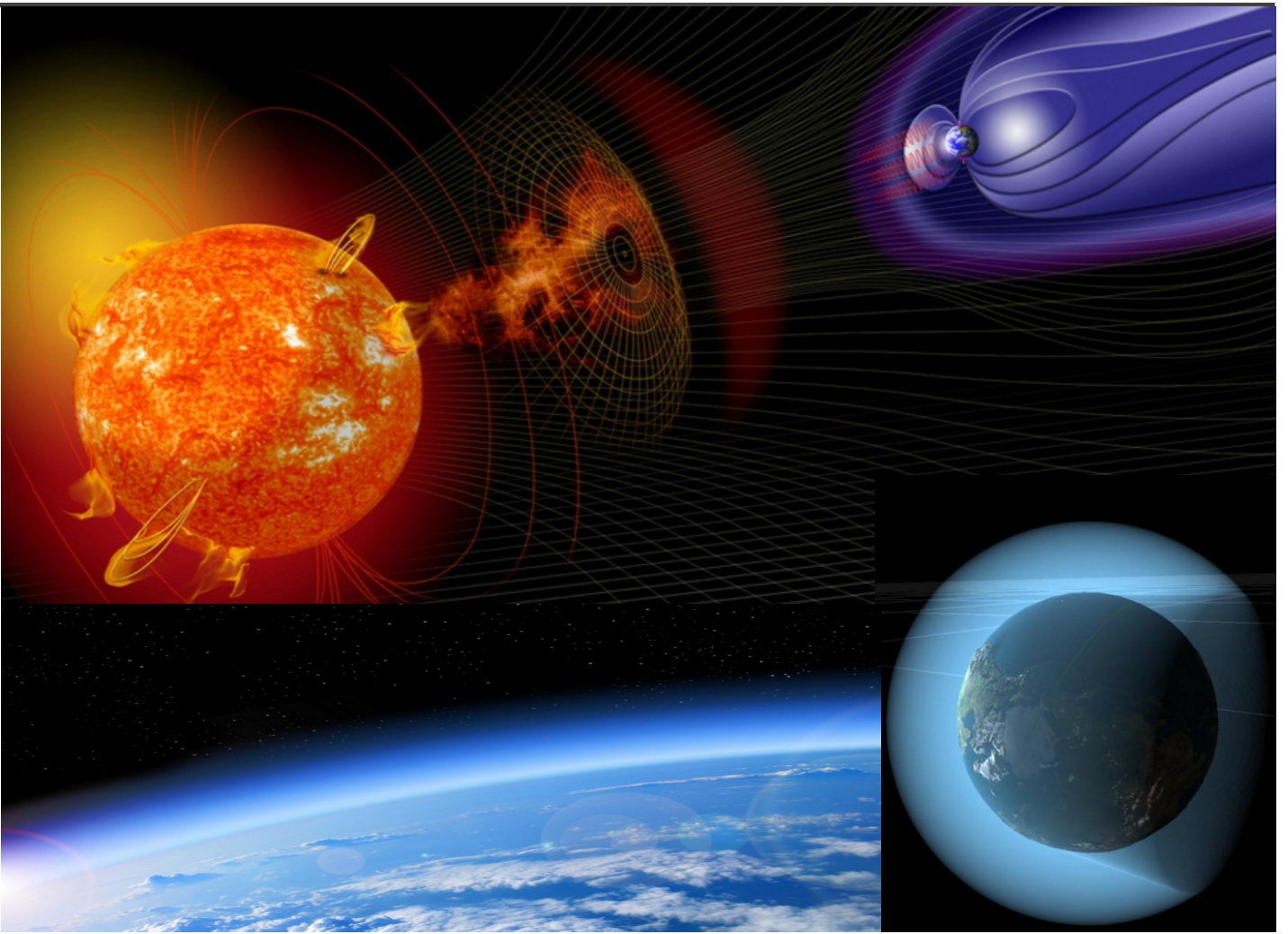
اس لفظ کے معنی بہت وسیع ہیں اس لفظ میں سد کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔ کہ جیسی رکاوٹ وہاں مغرب میں قائم کی جس میں شریر جنات یعنی یا جوج کو قید کیا، گھیر لیا یہاں بھی ویسی ہی رکاوٹ یعنی سد بنائی جس سے یہاں پر موجود شیاطین جنات کو بھی قید کر دیا۔

دونوں مقامات پر احاطہ کر دیا۔ احاطہ کرنا کیا ہے؟ کیسے کیا؟ کیوں کیا؟ سمیت تمام سوالات کے جوابات جاننے سے پہلے ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ احاطہ کرنا ہے کیا؟۔

حاط کہتے ہیں محاصرہ کرنا، حصار قائم کرنا، گھیرنا وغیرہ کو۔

جیسے زمین کے گرد اللہ سبحان و تعالیٰ نے جو کیسوں کا حصار قائم کیا ہوا ہے۔ تصاویر میں دیکھیں۔





ابن عباس رضی اللہ عنہ فی قولہ : قطرا . قال : النحاس . الدر المنثور ، ابن

ابی حاتم ، ابن ابی شیبہ ، ابن المنذر

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے قول میں قطر کو نحاس کہا یعنی ذالقرنین علیہ السلام نے جو قطر اڑا تھا وہ نحاس تھا۔

مجاہد فی قولہ : قطرا . قال : نحاسا . الدر المنثور ، ابن ابی حاتم ، ابن ابی شیبہ ، ابن

المنذر

مجاہد نے اپنے قول میں قطر کو نحاس کہا

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یا جوج اور ما جوج صرف انسان ہی ہیں تو پھر نحاس سے حصار قائم کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیوں کہ نحاس تو انسانوں کے لیے رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ نحاس کہتے ہیں ایسی قوت کو جیسی قوت مقناطیس میں پائی جاتی ہے یا جیسی قوت زمین سے خارج ہوتی ہے جسے ہم زمین کی مقناطیسی قوت کہتے ہیں لیکن نحاس لوہے اور تانبے (

تانبے کی تمام اقسام) کو مخصوص کیمیائی عمل سے گزارنے پر وجود میں آتی ہے۔ نحاس جنات کے لیے رکاوٹ بنتی ہے۔  
 نحاس جس مقناطیسی قوت کو کہتے ہیں اسی مقناطیسی کشش کی وجہ سے ان دونوں مقامات یعنی برمیودہ ٹرائی اینگل اور ڈریگن  
 ٹرائی اینگل جاپان میں کمپاس کی سوئی تھر تھرا نا شروع ہو جاتی ہے۔ اور اسی قوت کی وجہ سے وہاں سمندر میں غیر معمولی طغیانی  
 ہوتی ہے اور اسی قوت کی وجہ سے وہاں سے گزرنے والے جہاز نیچے کو اس طرح کھینچے چلے جاتے ہیں جیسے مقناطیس لوہے کے  
 ٹکڑے کو کھینچتا ہے۔ جس حد تک یہ حصار قائم ہے ان حدود کے اندر کوئی بھی شے داخل ہوگی خواہ وہ ہوائی جہاز بھی ہوں تو وہ  
 بھی اسی طرح غرق ہوں گے۔ اس کے علاوہ ان دونوں مقامات کے مراکز یعنی ان کے محور میں ایسی شدید قوت ہے جو  
 انسان کو وقت کی قید سے باہر نکال سکتی ہے یعنی ان مقامات کے جو محور ہیں اگر کسی کی وہاں تک رسائی ہو جائے تو ایسا انسان  
 وقت کی قید سے آزاد ہو سکتا ہے اور ماضی و مستقبل وغیرہ کا اس طرح مشاہدہ کر سکتا ہے جیسے حقیقت ہوتی ہے لیکن جب انسان  
 دوبارہ وقت کی قید میں داخل ہوگا تو وہ سارا منظر خواب کی سی صورت اختیار کر جائے گا۔ یعنی ایسے ہوگا جیسے خواب دیکھا لیکن  
 جو کچھ دیکھا ہوگا وہ بالکل حقیقت ہوگی۔

ذالقرنین سلیمان علیہ السلام نے اپنے پہلے مغرب کے سفر میں بھی اس مقام پر شیاطین جنات کو قید کیا جس کے لیے ان کا  
 نحاس سے احاطہ کر دیا یعنی سمندر میں ایک مقام پر نحاس سے ان کا محاصرہ کر دیا۔ تانبے کی دھاتوں سیان کے گرد ایک  
 مقناطیسی قوت کا حصار قائم کر دیا جس میں وہ شیاطین جنات کو قید ہو گئے اور اسی طرح مشرق میں سمندر میں ایک مقام پر بھی  
 یہی کیا یعنی جاپان کے سمندر میں جسے ڈریگن ٹرائی اینگل کا نام دیا جاتا ہے۔

اب سمندروں میں مفسد جنات کو قید کرنے کے لیے سمندروں میں بھی اترنا لازم تھا تو پھر یہ کیسے کیا گیا۔ اس کا جواب اللہ سبحان و تعالیٰ نے اس آیت میں دے دیا۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ. ص ۳۶ وَالشَّيْطَانِ كُلِّ  
بَنَاءٍ وَغَوَّاصٍ. ص ۳۷ وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ. ص ۳۸ هَذَا عَطَاؤُنَا  
فَأْمَنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ. ص ۳۹

پس اختیار میں دے دیا اس کے لیے ہوا کو بہتی اس کے امر سے (اگلے الفاظ بہت زیادہ وسعت رکھتے ہیں جن کا ترجمہ کرنا تقریباً ناممکن ہے اس لیے ان کے معنی بیان کریں گے یہ سلیمان علیہ السلام کے پاس کوئی ایسی سواری تھی جو انتہائی آرام دہ تھی اور انتہائی تیز رفتار جہاں پہنچنا چاہتے اسے ڈیکٹیٹ کرتے جاتے جیسے ہوائی جہاز اڑایا جاتا ہے۔ اگر بالکل قریب قریب یا پھر یقین کیساتھ کہیں تو یہ سلیمان علیہ السلام کے پاس ”یو ایف او“، یعنی اُڑن طشتریاں یا غیر معمولی جیٹ جہاز تھے)۔ اور شیاطین سب میسن (مادی وغیر مادی تعمیرات کرنے والے، جیسے زمین کے گرد گیس کی سات تھیں ہیں اس طرح کی تعمیرات کرنے والے) اور گہرے پانیوں کے اندر تیرنے والے غوطہ خور۔ اور دوسرے جکڑے ہوئے ہتھکڑیوں میں۔ یہ ہماری عطا ہے پس امن دے یا اسی طرح قید رکھ کوئی حساب نہیں ہوگا۔

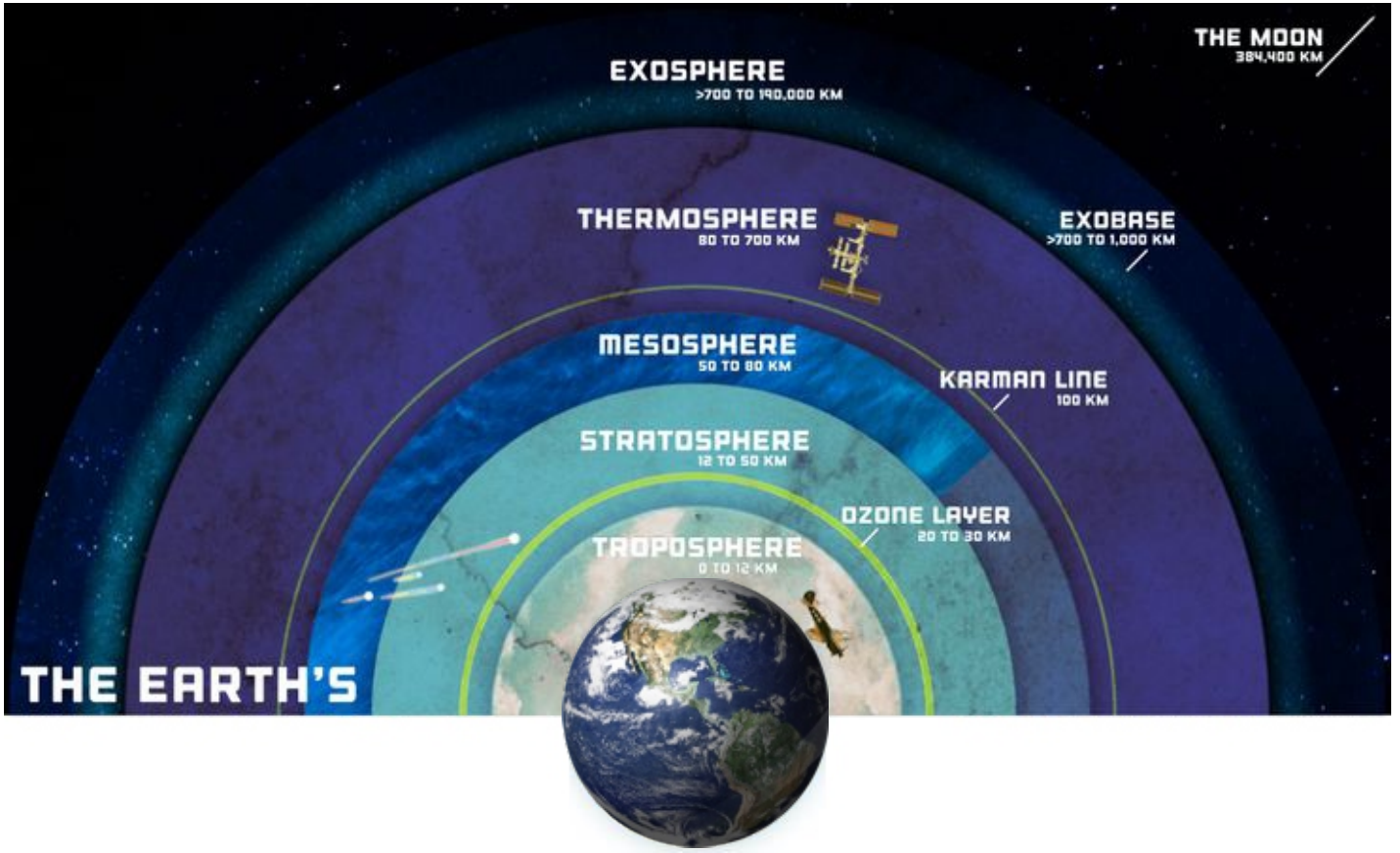
وَالشَّيْطَانِ كُلِّ بَنَاءٍ وَغَوَّاصٍ. ص ۳۷ وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ.

ص ۳۸

اور شیاطین سب میسن اور گہرے پانیوں کے اندر تیرنے والے غوطہ خور۔ اور دوسرے جکڑے ہوئے ہتھکڑیوں میں



**بَنَاءُ**۔ اس کے معنی ہیں مادی وغیر مادی تعمیرات کرنے والے مثلاً مادی یا غیر مادی عمارت، چھت، چھتری وغیرہ۔ جیسے کہ قرآن میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے آسمان کو بَنَاءُ کہا ہے۔ یعنی زمین کے گرد جو سات گیس کی تہیں ہیں ان کو بَنَاءُ کہا ہے۔ درج ذیل تصویر میں دیکھا جاسکتا ہے۔



یہ سات گیس کی تہیں بالکل محفوظ چھت کا کردار ادا کرتی ہیں جنہوں نے زمین کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اور یہ مختلف گیسوں کی تہیں بالکل بمنزلہ عمارت کی طرح بھی ہیں۔ اسے سمجھنے کے لیے تصویر کا مشاہدہ کریں اور جن میں یہ بنانے کی صلاحیت تھی انہیں **بَنَاءُ** کہا گیا ہے جس کے سب سے آسان ترین معنی میسن کے ہیں۔ یہ شیاطین وہی میسن ہیں جو فری میسن کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ فری میسن مفسد شریر جنوں اور مفسد شریر انسانوں کے ایک گروہ کا نام ہے۔ جن میں علم شریر جنوں کے پاس ہے اور اس علم کو عمل میں لانے کا کام مفسد شریر انسان انجام دیتے ہیں۔ اور یہ میسن آج کے موجودہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم آرکیٹیکچر کہتے ہیں۔ جو تعمیرات کے نقشے بناتے اور تعمیرات کرتے ہیں۔

یہی وہ میسن تھے جن پر اختیار پا کر سلیمان علیہ السلام نے مغرب میں برمیودہ اور مشرق میں جاپان میں شیطانی سمندر میں جنات شیاطین کے گرد حصار قائم کر کے قید کر دیا کچھ کو قید کر کے ساتھ لے آئے کچھ کو قتل کیا اور ان کے قریب جو انسانی

بستیاں تھیں وہاں کے شیاطین انسانوں جنہیں آج ہم سائنسدان کہتے ہیں کو بھی قتل کیا اور کچھ کو قید کر کے ساتھ لے آئے جن سے یہ سب کام لیتے تھے۔ یوں اللہ سبحان و تعالیٰ نے دونوں مقامات پر ان مفسدوں کا احاطہ کیا یعنی ان کو گھیر لیا، ان کا محاصرہ کر لیا، ان کے گرد قید کے لیے ایک حصار قائم کر دیا۔

پھر جور کا وٹیں ذالقرنین یعنی سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کیں ان کے بارے میں سلیمان علیہ السلام یوں کہتے ہیں۔

قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِنْ رَبِّي ۖ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ

رَبِّي حَقًّا ۚ الْكَهْفُ ۙ ۹۸

کہا یہ حفاظتی حصار ہے میرے رب سے، پس جب آجائے گا میرے رب کا وعدہ کر دے گا اسے ریزہ ریزہ، اور تھا میرے رب کا وعدہ حق۔

رَحْمَةٌ۔ اس کا مادہ ”رحم یعنی رحم“ ہے رحم ماں کے پیٹ میں بچے کے گرد ایک حصار کو کہتے ہیں جو نو ماہ تک بچے کے گرد نہ صرف قائم رہتا ہے بلکہ اس عرصے کے دوران بچے کو وہ تمام ضروریات مہیا کر کے ان کے عدم سے پیش آنے والی تمام تکالیف سے محفوظ کر رکھتا ہے۔ اسی سے رحمہ بنا ہے جس کے معنی کسی کے گرد اس طرح کا حفاظتی حصار قائم کر دینا جس کے ذریعے سے اسے اس کے نہ ہونے کی وجہ سے پیش آنے والی تمام تکالیف و مصائب سے محفوظ کر دینا۔ درج ذیل تصویر میں رحم کا مشاہدہ کریں کہ رحم کیسے بچے کے گرد اللہ کا قائم کردہ حفاظتی حصار ہے۔



ذالقرنین سلیمان علیہ السلام کا ان رکاوٹوں کی تعمیر کے بعد یہ الفاظ استعمال کرنا بھی بڑی صراحت کیساتھ اس کی وضاحت کر دیتا ہے اور اگر کسی کے لیے وضاحت نہ ہو تو اس کے لیے کم از کم یہ سوال ضرور پیدا کرتا ہے کہ آخر وہ حفاظتی حصار کو نسے تھے جن کا ذکر ذالقرنین سلیمان علیہ السلام نے اپنے الفاظ میں کیا۔

اور اس کا جواب قرآن یہی دیتا ہے کہ مستقبل کے انسانوں کے لیے وہ حفاظتی حصار مغرب اور مشرق میں جنات شیاطین یا جوج کے گرد قائم کیے گئے نحاس کے حصار تھے اور اس وقت کے انسانوں کی حفاظت کی خاطر ماجوج کو روکنے کے لیے جو رکاوٹ بنائی گئی وہ دو چٹانوں کے درمیان پہاڑ ہی کی مانند ایک رکاوٹ تھی۔

انجیل میں ہے کہ شیطان کو ہزار سال کے لیے قید کر دیا گیا۔ کیوں ہزار سال کے لیے قید کیا گیا اس کا جواب ہمیں اللہ کی کتاب میں بہت صراحت سے مل جاتا ہے۔ جس کی وضاحت آگے آئے گی لیکن یہاں مختصر بیان کر دیتے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب چھ یوم میں خلق کیا۔ یوم سے مراد ہمارا یوم یعنی دن نہیں۔ پھر اوپر سے نیچے ساتویں اور نیچے سے اوپر پہلے آسمان میں سب سے نیچے ایک سیارے کا انتخاب کیا اس میں جو کچھ انسان کی ضروریات تھیں وہ خلق کیں جس مدت میں وہ خلق کیں وہ ایک یوم کہلائے گا جب اس یوم کا آخری حصہ پیچھے رہ گیا جسے ہم عصر کا وقت کہتے ہیں تو عصر کے وقت بشر کو خلق کیا۔ وہ عصر کا وقت بشر کی خلق سے لیکر قیامت تک ایک یوم کہلائے گا۔ اس ایک یوم میں اللہ نے زمین میں سات بار فساد کی گنجائش رکھی۔ اور باری باری سات قوموں کو زمین کا اختیار دینا تھا۔ ہر قوم کا ایک یوم اور ایک یوم کی مدت ہمارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال۔ اور اسی طرح اللہ نے سات امر کیے جن میں ہر ایک کی مدت ایک ہزار سال ہمارے شمار کے مطابق۔ یوں انسان زمین پر سات ہزار سال کے لیے بسایا گیا۔

پہلے چار یوم میں یعنی چار ہزار سال میں دنیا میں چھ قوموں نے فساد کیا اور چھ بار زمین پر تباہی آچکی۔ پیچھے تین یوم یعنی تین ہزار سال رہ گئے۔ اور چھ کی چھ بار جو فساد ہوا اس کے پیچھے جنات کا ایک شریر گروہ تھا۔ جنات خود تو مادے میں مداخلت نہیں کر سکتے اس لیے انہیں اس کے لیے مادی اجسام کی ضرورت ہوتی ہے جس کے لیے صرف انسان ہی ان کے کام آ سکتا ہے۔ تو وہ جنات کا گروہ اپنے سردار کی سربراہی میں انسانوں پر قابو پا کر انہیں مسخر کر کے زمین کو ٹیکنا لوجی کے نام پر فساد سے بھر دیتا رہا جس کی وجہ سے چھ بار تباہی آچکی۔

اللہ نے زمین پر انسان کو سات ہزار سال کے لیے بسایا اس لیے اگر جنات کے اس مفسد و شریر گروہ کو قید نہ کیا گیا تو پانچ ہزار سال سے پہلے ہی دنیا ساتویں اور آخری بار تباہ ہو جاتی اور سات ہزار پورے نہ ہوتے۔ سات ہزار سال کی مدت کو پورا

کرنے کے لیے اللہ سبحان و تعالیٰ نے اپنے ایک غلام کے ذریعے ان مفسد شریر جنات کو قید کر دیا جب دنیا کا آخری یوم یعنی ہزار سال رہ جائیں گے یا آخری قوم جب آئے گی تو انہیں آزاد کر دیا جائے گا۔ پھر یہ اپنی سابقہ روش اپناتے ہوئے انسانوں کو ٹیکنالوجی کے نام پر فساد پر ابھاریں گے یوں جیسے ہی سات ہزار سال پورے ہونے کو آئیں گے تو دنیا کی فساد سے ایسی حالت ہو چکی ہوئی ہوگی کہ وہ تباہی کے دہانے پر پہنچ جائے گی اور جیسے ہی سات ہزار سال پورے ہوں گے تو اچانک آخری ساتویں تباہی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ جسے قیامت کہا گیا۔

اس کی اللہ کی کتاب سے مفصل وضاحت امام مہدی آخر الزماں علیہ السلام والے باب میں آئے گی۔ ان شاء اللہ

ذہن کو دوبارہ پیچھے لے جائیے کہ آپ کو علم نہیں ہے کہ ذالقرنین علیہ السلام کون ہیں۔ تو ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ذالقرنین نے جو مغرب اور مشرق کا سفر کیا وہ کیسے ممکن ہوا۔ رستے میں سمندر، پہاڑ، جنگلات، وسیع و عریض ریگستان و صحراء، دل دل، اور دشوار ترین گھاٹیاں، کھلے میدان اور آبادیاں وغیرہ آتی ہیں یہ سفر کیسے ممکن ہوا۔

اور کیا یہ اتفاق ہے کہ ذالقرنین علیہ السلام اس وقت وہاں پہنچتے ہیں جب سورج غروب ہو رہا ہوتا ہے۔ یہ اتفاق نہیں ہو سکتا یہ بات بالکل کھول کر واضح کرتی ہے کہ ذالقرنین وہاں سمندری جہاز کے ذریعے نہیں بلکہ ہوائی رستے سے گئے تھے۔ اور اسی حساب سے اپنا سفر شروع کیا کہ انہیں علم تھا کہ انہیں اس مقام پر اس وقت پہنچنا ہے جب سورج غروب ہو رہا ہو۔ کیونکہ ان کے پاس پہلے سے خبر تھی جس کی اتباع میں انہوں نے سفر شروع کیا۔ تو پھر انہوں نے اسی حساب سے سفر شروع کیا کہ وہ غروب آفتاب کے وقت وہاں پہنچیں۔ کیونکہ اگر سمندری جہاز کے ذریعے سفر کیا ہوتا تو مقررہ وقت پر پہنچنا ناممکن ہوتا ہے۔ رستے میں حالات دشوار ہو سکتے ہیں بہر حال جب آپ غور کریں گے تو واضح ہو جاتا ہے کہ سمندری جہاز کے ذریعے اس طرح سفر ناممکن ہے۔ اس لیے انہوں نے فضائی رستہ اختیار کیا اور اس کے لیے ان کے پاس جو سواری تھی وہ ہوائی جہاز سے بڑھ کر تھی۔

اور قرآن کہتا ہے کہ اس طرح کے تمام اسباب صرف سلیمان علیہ السلام کو ہی میسر تھے۔

**وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحُ غَدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ**

اور سلیمان کے لیے ہوا صبح اس کی ایک مہینہ (یعنی ایک مہینے کا سفر لو لگنے سے لیکر اندھیرا چھٹنے تک طے کر لیتے یعنی



ایک ماہ کا سفر ایک آدھ گھنٹے یا اس سے بھی کم وقت میں طے کر لیتے) اور شام اس کی ایک مہینہ، (یعنی ایک مہینے کا سفر سورج غروب ہونے سے پہلے سے لیکر سورج کے غروب ہونے تک تقریباً ایک، آدھ گھنٹے یا اس سے بھی کم وقت میں طے کر لیتے)

### فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ. ص ۳۶

پس اختیار میں دے دیا اس کے لیے ہوا کو بہتی اس کے امر سے (اگلے الفاظ بہت زیادہ وسعت رکھتے ہیں جن کا ترجمہ کرنا تقریباً ناممکن ہے اس لیے ان کے معنی بیان کریں گے یہ سلیمان علیہ السلام کے پاس کوئی ایسی سواری تھی جو انتہائی آرام دہ تھی اور انتہائی تیز رفتار جہاں پہنچنا چاہتے اسے ڈیکٹیٹ کرتے جاتے جیسے ہوائی جہاز اڑایا جاتا ہے۔ اگر بالکل قریب قریب یا پھر یقین کیساتھ کہیں تو یہ سلیمان علیہ السلام کے پاس ”یو ایف او“، یعنی اڑن طشتریاں تھیں)۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کیا تو ہوا کو مسخر اسی طرح کیا جائے گا جیسا کہ اللہ کا قانون ہے۔ جس کے لیے ایک تو ہوا پر اختیار دے دینا اور دوسرا ہوا کو مسخر کرنے کا مطلب کے ایسے اسباب عطا کرنا جن کے ذریعے ہوا کو بھی پیچھے چھوڑ دیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے خود کہا کہ ذالقرنین علیہ السلام کو تمام کی تمام اشیاء سے اسباب دیئے۔ تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ذالقرنین علیہ السلام کو ایسے اسباب بھی دیئے جن سے ہوا مسخر کی جاسکتی ہے یعنی جیسے ہیلی کاپٹر، جہاز، اڑن طشتریاں وغیرہ ہیں جن کے ذریعے انسان کے لیے ہوا مسخر ہو گئی۔

ان آیات سے بھی بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ذالقرنین صرف اور صرف سلیمان علیہ السلام تھے نہ کہ کوئی اور۔

## تیسرا سفر

ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا. ٩٢ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا لَا

يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا. ٩٣ قَالُوا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ

مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ

سَدًّا. ٩٤ قَالَ مَا مَكْنَىٰ فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ

رَدْمًا. ٩٥ اتُّوْنِي زُبْرَ الْحَدِيدِ ط حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوا

ط حَتَّىٰ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا لَا قَالَ اتُّوْنِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا. ٩٦ فَمَا اسْطَاعُوا أَنْ

يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا. ٩٧ قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَبِّي ج فَإِذَا جَاءَ

وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ ج وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا. ٩٩

پھر اتباع کی یعنی پیچھے چلا اسباب کے۔ یہاں تک کے پہنچا دونوں رکاوٹوں کے درمیان پایا وہاں ان کے علاوہ ایک قوم کو نہیں تھے بلکل بھی بات کو سمجھنے کے قریب، انہوں نے کہا اے ذالقرنین اس میں کچھ شک نہیں یا جوج اور ماجوج فساد کرتے ہیں زمین میں پس کیا ہم کر دیں تیرے لیے خراج اس پر کہ تو کر دے ہمارے درمیان اور ان

کے درمیان ایک رکاوٹ۔ کہا جو اختیار دیا مجھے اس میں میرے رب نے وہ خیر ہے پس تم میری راہنمائی کرو  
 باریک بنی سے معائنہ کرنے میں، میری مدد کرو قوت کیساتھ کہ میں کردوں تمہارے درمیان اور ان کے درمیان  
 روم۔ لاؤ دو مجھے لوہے کے ٹکڑے یہاں تک کہ جب برابر ہو جائیں یہ دو چٹانوں کے درمیان، کہا دہکاؤ یہاں تک  
 کہ یہ ہو جائے آگ، کہا لاؤ قطرا (پگھلا ہوا تانبہ، مختلف پگھلی ہوئی دھاتوں کو سخت لوہے پر انڈیلنا جس سے  
 ایک قوت قائم ہو جائے یعنی نحاس)۔ پس نہیں انہیں استطاعت کہ وہ اس میں سے ظاہر ہو جائیں اور نہ  
 استطاعت ہے انہیں کہ وہ کھود سکیں اس کو۔ کہا یہ حفاظتی حصار ہے میرے رب سے پس جب آجائے گا میرے  
 رب کا وعدہ کر دے گا اسے ریزہ ریزہ اور تھا میرے رب کا وعدہ حق۔

**السَّائِدِينَ.** دوسرے۔ سد کے معنی ایسی رکاوٹ کے ہیں کہ کسی بھی شے کا جس کے دوسری طرف جانا ناممکن ہو۔ خواہ وہ کسی  
 بھی قسم کی رکاوٹ ہو۔ مادی ہو یا غیر مادی۔ ہوا کی بنی ہوئی رکاوٹ ہو، گیس کی، پانی کی، کسی ٹھوس شے کی، یا جیسے کہ کسی  
 انسان کا کسی بات کو نہ سمجھنا وہ سد ہی کہلائے گی جسے عرف عام میں عقل پر پردہ پڑ جانے کو کہتے ہیں۔ یا جیسے کہ آپ کسی شے کو  
 اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی رہے ہوں لیکن اسے سمجھنے سے قاصر ہوں اور عرف عام میں اسے آنکھیں ہونے کے باوجود اندھا  
 کہا جاتا ہے۔ آنکھوں پر اس پردے یعنی رکاوٹ کے پڑ جانے کو بھی سد کہتے ہیں۔ سد لفظ کے معنی صرف رکاوٹ ہیں خواہ وہ  
 کسی بھی قسم کی رکاوٹ ہو۔ مادی یا غیر مادی۔ جیسے مقناطیس کے دو ٹکڑے جب ایک ہی سمت سے آمنے سامنے کیے جائیں تو  
 وہ ایک دوسرے کے قریب نہیں آسکتے ان کے درمیان جو قوت انہیں ایک دوسرے کے قریب آنے سے روکتی ہے وہ بھی سد  
 کہلاتی ہے۔ یعنی ہر طرح کی ہر قسم کی رکاوٹ کے لیے عربی میں لفظ سد کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس میں غیر مادی رکاوٹ کے  
 معنی مادی رکاوٹ پر غالب ہیں۔

اس لیے جہاں بھی یہ لفظ استعمال کیا جائے گا تو وہاں سب سے پہلے معنی غیر مادی رکاوٹ کے مراد ہوں گے البتہ اگر وہاں  
 ساتھ میں رکاوٹ کے بارے میں واضح نہ کر دیا ہو کہ یہ مادی رکاوٹ ہے ورنہ صرف اسی لیے اس کا استعمال کیا  
 جائے گا غیر مادی رکاوٹ کا ذکر کیا جا رہا ہے یا یہ کہ وہاں ایک سے زائد رکاوٹوں کا ذکر کرنا مقصود ہے۔ پھر جتنی رکاوٹوں کا ذکر  
 کرنا مقصود ہوگا وہاں ان رکاوٹوں کا الگ الگ سے ذکر کرنا بھی لازم ہوگا۔ کہ وہاں دو یا دو سے زائد رکاوٹوں کا ذکر کرنا مقصود  
 تھا اور وہ کون کون سی ہیں ان میں کتنی مادی اور کتنی غیر مادی ہیں۔ پھر اگر ضرورت ہو تو ان کی مزید وضاحت بھی کی جائے گی

مثلاً مادی رکاوٹ یا رکاوٹیں کس کس شے سے بنائی گئیں اور غیر مادی رکاوٹوں کا ادراک کیسے ہوگا یعنی وہ کس نوعیت کی ہیں۔

**الصَّدَفِیْنِ**۔ دو چٹانیں۔ صدف کے معنی چٹان کے ہیں۔ زمین پر پہاڑوں کی مختلف اقسام ہیں کچھ پہاڑ مٹی کے ہیں، کچھ مٹی اور پتھر دونوں کا مرکب ہیں، کچھ صرف پتھر کے لیکن نرم پتھر کے ہیں جسے توڑنا اور کھودنا آسان ہوتا ہے، اور کچھ پہاڑ سخت پتھر کے ہوتے ہیں جنہیں توڑنا، انتہائی مشکل ہوتا ہے پورے کا پورا پہاڑ یا ایسے پتھر کا پہاڑی سلسلہ بالکل ایسے ہوتا ہے جیسے ایک ہی یا چند بڑے بڑے پتھر ہوں ایسے پہاڑوں کو اردو میں چٹان اور عربی میں صدف کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ صدف تہہ یا سلسلے کو بھی کہتے ہیں۔ جیسے کاپی کے اوراق تہوں کی شکل میں ہوتے ہیں اگر کاپی یا کتاب زمین پر پڑی ہو تو ان کے اوراق تہوں کی شکل میں نظر آتے ہیں لیکن اگر انہیں کھڑا کر دیا جائے تو وہ ایک سلسلے کی صورت میں نظر آتے ہیں جیسے کہ کوئی پہاڑی سلسلہ ہوتا ہے۔

آیت میں لفظ ”الصَّدَفِیْنِ“ آیا ہے جس کے معنی دو ایسے پہاڑوں کے ہیں جو سخت چٹان ہوں اور وہ ایک پہاڑی سلسلے میں واقع ہیں اور ان دونوں کے درمیان خالی جگہ یعنی درہ ہے۔ الفاظ کے معنوں کو سامنے رکھ کر تصور کریں تو جو نقشہ بنتا ہے وہ یوں ہوگا کہ ایک لمبا پہاڑی سلسلہ ہے جس میں کسی مقام پر چٹان کا پہاڑی سلسلہ ہے یا پھر وہ پورا پہاڑی سلسلہ ہی چٹان کا ہے بہر حال اس پہاڑی سلسلے میں ایک درہ ہے جس سے آرا پار آنا جانا ممکن ہے اور اس درے کی دونوں اطراف اس پہاڑی سلسلے میں دو پہاڑ ہیں جو چٹانیں ہیں۔

**ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا. ۹۲ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ**

پھر اس نے اتباع کی اسباب کی۔ یہاں تک کہ جب پہنچا دور کا وٹوں کے درمیان۔

اس آیت میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے کہا کہ وہ سدین کے درمیان پہنچا یعنی دور کا وٹوں کے درمیان پہنچا۔ لیکن آیت ۹۶ میں اللہ سبحان و تعالیٰ کہتے ہیں۔



## اَتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ ۝ حَتَّىٰ اِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ .

لاؤ مجھے دو لوہے کے ٹکڑے یہاں تک کہ برابر ہو جائے دونوں چٹانوں کے۔

یہاں کچھ سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا تو لفظ سَدِّین کا استعمال ہی بالکل واضح کر دیتا ہے کہ ذالقرنین علیہ السلام کے اس واقعے میں کسی ایک ہی رکاوٹ کا ذکر نہیں ہے بلکہ ایک سے زائد رکاوٹوں کا ذکر ہے۔ کیونکہ اگر ذالقرنین علیہ السلام ان دو چٹانوں کے درمیان پہنچے جنہیں بند کیا تو پھر اللہ سبحان و تعالیٰ نے پہلے سَدِّین کا ذکر کیوں کیا۔ یعنی اگر دو سَد سے مراد یہی دو چٹانیں ہیں تو پھر شروع میں ہی لفظ صَدَفِین کا استعمال کرنا چاہیے تھا جو کہ نہیں ہے۔ اس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ جن سَدِّین کے درمیان ذالقرنین علیہ السلام پہنچے وہ سَدِّین یہ دو چٹانیں نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ مزید دو رکاوٹیں ہیں۔ خواہ وہ مادی تھیں یا غیر مادی۔ یہ جو دو چٹانیں جن کو درمیان سے برابر کر کے بند کرنا مقصود تھا یہ ان دو رکاوٹوں کے درمیان موجود تھیں جنہیں اللہ سبحان و تعالیٰ نے سَدِّین کہا ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے جو کہ آج زبان زد عام ہے کہ ذالقرنین علیہ السلام انہیں سَدِّین کے درمیان پہنچے جن کو درمیان میں بند کیا تھا تو پھر قرآن کو یہ کہنا چاہیے تھا

## اَتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ ۝ حَتَّىٰ اِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ السَّدِّينِ

کہ لاؤ مجھے دو لوہے کے ٹکڑے یہاں تک کہ جب برابر ہو جائیں سَدِّین۔ لیکن ایسا نہیں ہے السَّدِّین کی بجائے لفظ الصَّدَفِین کا استعمال کیا اللہ نے۔

## حَتَّىٰ اِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ .

اب جب یہاں اللہ سبحان و تعالیٰ نے دو الگ الگ الفاظ استعمال کیے جن میں ایک کے معنی بہت وسیع ہیں اور دوسرے کے معنی صرف اور صرف ایک ہی ہیں تو پھر یہاں ان مختلف الفاظ کا استعمال کرنے میں ضرور اللہ سبحان و تعالیٰ کی کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہے۔ جب تک ہم اسے نہیں جانیں گے اس کی گہرائی میں نہیں جائیں گے تب تک ہم ان آیات میں اللہ سبحان و تعالیٰ کے چھپائے ہوئے رازوں کو نہیں جان سکتے۔

پھر غور کیجیے کہ وہ قوم ذالقرنین علیہ السلام کو کیا کہتی ہے اور ذالقرنین علیہ السلام جواب کیا دیتے ہیں۔

ان کا ذالقرنین علیہ السلام سے سوال۔ **اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا**۔ کہ اس سے تو کر دے ہمارے درمیان اور ان کے درمیان سد۔ اس قوم نے سد کرنے کا کہا۔ یعنی ان کے سوال میں بھی جو لفظ ہے وہ بھی یہ نہیں کہ آپ جدار بنادیں یعنی ایک مادی دیوار بنادیں۔ یا انہوں نے یہ کہا ہو کہ آپ ان صدقین یعنی دو چٹانوں کو درمیان سے بند کر دیں حالانکہ انہیں کوئی ایسا لفظ استعمال کرنا چاہیے تھا جس کے معنی بالکل واضح ایک مادی رکاوٹ دیوار وغیرہ کے ہوں۔

پھر ذالقرنین علیہ السلام نے انہیں جو جواب میں کہا وہ بھی سامنے رکھ لیجئے۔

**اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا**۔ کر دیتا ہوں تمہارے درمیان اور ان کے درمیان ردما۔

**رَدْمًا**۔ پھیر دینے والی، منعکس کر دینے والی۔ مادی یا غیر مادی رکاوٹ جس سے کوئی بھی شے ٹکرا کر واپس اُدھر مڑ جائے جہاں سے وہ آئی تھی۔

اب یہاں بھی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ صرف اور صرف کوئی مادی رکاوٹ تھی تو پھر اس موقع پر ذالقرنین علیہ السلام کو لفظ **”رَدْمًا“** کی بجائے صرف ایسا لفظ استعمال کرنا چاہیے تھا جس کے معنی صرف اور صرف کسی مادی رکاوٹ کے ہوتے اور اگر صرف دو چٹانوں کو ہی بند کرنا تھا تو یہاں وہ صرف اور صرف یہ کہتے کہ میں ان صدقین یعنی دو چٹانوں کو بھر دیتا ہوں تاکہ وہ درہ یعنی رستہ بند ہو جائے جہاں سے یا جوج اور ماجوج آتے ہیں فساد کے لیے۔ لیکن قرآن میں اللہ سبحان و تعالیٰ کا ان الفاظ کو استعمال کرنا کسی بھی لحاظ سے علم و حکمہ سے خالی نہیں ہے۔ کہ جن الفاظ کے معنی بہت وسعت رکھتے ہیں اور جو صرف حالت مادہ نہیں بلکہ حالت نور اور حالت آگ بیک وقت تینوں دنیاؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔

ان آیات میں جو چونکا دینے والی اور سب سے زیادہ غور کرنے والی بات جسے ہم یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں وہ یہ کہ ان آیات

میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے یہ جو الفاظ **”بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ“** استعمال کیے، یہ الفاظ تب ہی استعمال ہوتے ہیں جب مخاطب سامنے موجود ہو یعنی الفاظ فعل ماضی کے لیے نہیں بلکہ فعل حال کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن یہاں صرف ماضی میں ایک قوم کا واقعہ ہی ذکر نہیں کر رہا بلکہ قرآن ہر اس سے مخاطب ہے جو اس کے سامنے موجود ہے۔ کہ ذالقرنین علیہ السلام نے تمہارے اور ان کے درمیان یعنی جو موجودہ انسان ہیں قرآن انہیں کہہ رہا ہے کہ تمہارے اور ان یعنی یا جوج اور ماجوج کے درمیان۔ نہ کہ صرف اور صرف ماضی میں صرف ایک

قوم گزری تھی جس کے لیے رد مابنائی گئی تھی۔ اس پورے واقعے میں کہیں بھی ایسے الفاظ نہیں جو یہ بیان کر رہے ہوں کہ یہ صرف اور صرف ماضی کا ایک واقعہ ہے بلکہ اس کے برعکس قرآن کے الفاظ بالکل صراحت کے ساتھ نہ صرف حال میں موجودہ انسانوں کو کہہ رہا ہے کہ تمہارے اور ان کے درمیان منعکس کر دینے والی کردی بلکہ قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ یہ صرف اور صرف کوئی ایک مادی رکاوٹ نہیں تھی جس کا تعلق صرف اسی ایک دور یا صرف اسی ایک قوم سے تعلق تھا بلکہ وہ ایک سے زائد رکاوٹیں تھیں جن میں ایک مادی اور اس کے علاوہ ایک سے زائد غیر مادی رکاوٹیں بنائی گئیں تھیں۔

اسی کی وضاحت ذالقرنین علیہ السلام کے ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

**قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِّن رَّبِّي .** کہا یہ میرے رب کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے۔

**رَحْمَةٌ.** حفاظتی حصاروں میں سے ایک حفاظتی حصار۔

**رحمہ.** اس کا مادہ ”رح م“ یعنی رحم ہے جو ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے جہاں بچہ نو ماہ تک نشوونما پاتا ہے۔ رحم ایک حفاظتی

حصار ہوتا ہے جو بچے کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہوتا ہے اور اس کی ہر طرح سے حفاظت کرتا ہے۔ جو کچھ بچے کی ضروریات

ہوتی ہیں جن کے نہ ہونے سے بچے کا تکلیف کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے وہ سب مہیا کر کے بچے کی ہر لحاظ سے حفاظت کرتا۔ اسی

سے رحمہ، الرحمن اور الرحیم بھی بنا ہے۔ رحمہ کے معنی حفاظتی حصار کے ہیں

یہاں بھی یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ سب سے پہلی بات یہ کہ میرے رب کے حفاظتی حصاروں میں سے ایک حفاظتی حصار ہے تو

اس کا مطلب تو بالکل واضح ہے کہ اس کے علاوہ بھی مزید کوئی حفاظتی حصار ہیں جن میں سے ایک یہ ہے اور پھر وہ کون سے

ہیں جن میں سے ایک حفاظتی حصار یہ دو چٹانوں کو بند کرنا تھا جس کا ذالقرنین علیہ السلام نے کہا۔

پھر ایک اور نقطہ جو اس آیت میں بہت غور کرنے والا ہے۔ کہ اس قوم اور یا جوج اور ماجوج کے درمیان رکاوٹ ذالقرنین علیہ

السلام نے کی جو کہ ان کے اپنے بس سے باہر تھا۔ قرآن میں جب غور کریں تو اسے اللہ نے قرآن میں فضیلت دینا کہا ہے۔

کہ ایک ایسی صفت جو ایک انسان میں نہیں پائی جاتی اور دوسرے میں پائی جاتی ہے وہ ایک کو دوسرے پر فضیلت کہلاتی ہے۔

یہاں اس قوم میں استطاعت نہیں رکاوٹ بنانے کی اور ذالقرنین علیہ السلام میں تھی تو یہ ذالقرنین علیہ السلام کو اللہ نے ان پر فضیلت دی تھی۔ اس لیے اگر ان آیات میں ذالقرنین علیہ السلام صرف اسی موقع پر ایک رکاوٹ کے لیے یہ الفاظ استعمال کر رہے ہیں تو یہ قرآن کے اسلوب کے ہی خلاف ہے۔ اگر وہ یہ صرف اسی دیوار کے لیے کہہ رہے ہوتے تو انہیں یہ اس

وقت تک نہیں کہنا چاہیے تھا جب تک کہ وہ پہلے یہ نہ کہہ لیتے کہ ”**هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي**“ یہ میرے رب کے فضل سے ہے۔ یعنی جو اختیار ہمارے رب نے تمہیں نہیں دیا وہ مجھے دیا۔ لیکن یہاں یہ نہ کہنا بھی کھول کھول کر یہ ثابت کرتا ہے کہ

ذالقرنین علیہ السلام نے جب یہ کہا **قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَبِّي** . کہا یہ میرے رب کے حفاظتی حصاروں میں سے ایک حفاظتی حصار ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ذالقرنین علیہ السلام اس سے پہلے بھی کچھ رکاوٹیں بنا چکے تھے اور جب کسی ایک رکاوٹ کو بناتے تو وہاں یہی کہتے تھے کہ ”**هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي**“ یہ میرے رب کے فضل سے ہے۔ یعنی جو اختیار ہمارے رب نے تمہیں نہیں دیا وہ مجھے دیا۔ جیسا کہ ملکہ سبا وغیرہ کے قصے میں سلیمان علیہ السلام نے کہا۔

**قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي . النمل ۴۰**

سلیمان علیہ السلام نے کہا یہ فضل سے ہے میرے رب کے۔

لیکن جب ان کا وہ مشن مکمل ہو گیا جس کے لیے وہ نکلے تھے جس میں قرآن نے ان کے تین سفروں کا ذکر کیا ہے تو آخری سفر کے مقصد کی تکمیل کے بعد اس قوم کو تو یہی کہا کہ ”**هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي**“ لیکن جب ان کا تین سفروں پر مشتمل وہ

مشن مکمل ہوا تو تب یہ کہا **قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَبِّي** . اور یہ انہوں نے کسی انسان سے نہیں کہا بلکہ وہ اپنے

رب سے کہہ رہے ہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے۔

ایسا نہیں ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان تمام کے تمام سوالات کے جواب قرآن میں نہ دیئے ہوں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے تمام



کے تمام سوالات کے جوابات قرآن میں رکھ دیئے جس کا شروع میں ہم نے ذکر بھی کر دیا تھا۔ کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے ہر شے کی مثل قرآن میں ہر طرف سے پھیر کر بیان کر دی۔ البتہ اگر ہمیں کسی سوال کا جواب نہیں ملتا تو پھر خامی اللہ کے کلام میں نہیں بلکہ ہمارے اندر ہوگی۔ یقیناً ہم اللہ کی عائد کردہ ان شرائط پر پورے نہیں اتر رہے ہوں گے جن پر پورا اترنے سے ہی قرآن ان سوالات کے جوابات سے پردہ ہٹائے گا۔ اس لیے کبھی بھی یہ ذہن میں سوال پیدا نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے اگر ایک شے کا حکم دیا یا ایک شے بیان کی جس میں کوئی سوال پیدا ہوتا ہو اور اس سوال کا جواب نہ دیا ہو۔ اگر ہم نے ایسا عقیدہ رکھا یا ایسا گمان کیا تو ہم اللہ پر افتراء کرنے والوں میں سے ہوں گے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے قرآن میں مکمل رہنمائی نہیں رکھی۔ کیا نعوذ باللہ، اللہ سبحان و تعالیٰ کو یہ علم ہی نہ تھا کہ قرآن میں اللہ سبحان و تعالیٰ جو حکم دے رہے ہیں یا جو کچھ بیان کر رہے ہیں اس سے کیا سوالات مخلوق کے اندر پیدا ہوں گے اور ان کے جواب کیا ہیں؟

اللہ سبحان ہے اس لیے جب تک ہمارے اندر ایسے نظریے کی رائی برابر رکھ بھی باقی ہوگی رائی برابر شاہد بھی ہوگا جس کی وجہ سے ہم کسی سوال کا جواب اللہ کے کلام کی بجائے کہیں اور سے حاصل کرنے کی کوشش کریں گے تو ہم ذلیل و رسوا ہی ہوں گے بلکل ایسے ہی کہ جیسے کسی انسان کو کسی شے کی اشد ضرورت ہو اور وہ شے صرف اور صرف آپ کے پاس موجود ہو اور جس کو ضرورت ہو وہ علم ہونے کے باوجود دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلاتا پھرے۔ تو تصور کریں ایسے شخص کے بارے میں آپ کے دل میں کیا رائے ہوگی؟ یہی نہ کہ اگر یہ آپ سے رجوع نہیں کرتا علم کے باوجود تو پھر جن سے رجوع کر رہا ہے انہیں سے حاصل کرے اگر اسے ان سے حاصل ہو سکتا ہے۔

بلکل اسی طرح اگر ہم اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر اور ذرائع اختیار کریں گے تو ہمیں ان کا صحیح جواب کبھی بھی حاصل نہیں ہوگا اور پھر ہم یقیناً گمراہ ہی ہوں گے بے شک ہم خود کو حق پر ہی تصور کر رہے ہوں۔

اب آتے ہیں ان سوالات کی طرف اور اللہ کی کتاب سے رجوع کرتے ہیں ان کے جوابات کے لیے۔

سب سے پہلے ایک بات کے حوالے سے اپنے ذہن کی سمت درست کر لیں۔ بہت زیادہ عام کر دیا گیا ہے کہ ذالقرنین علیہ

السلام نے کوئی دیوار تعمیر کی تھی۔ اگر حقیقت میں وہ کوئی دیوار ہوتی تو عربی میں دیوار کو جدار کہتے ہیں جیسا کہ سورۃ الکہف کی اس آیت میں بھی آیات ہے۔

**فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقُضَ فَاقَامَهُ** . پس پایا اس میں دیوار کو کہ گرنے ہی والی تھی پس اسے قائم کر دیا۔

یہ موسیٰ علیہ السلام اور اللہ کے ایک غلام کے واقعے کا ذکر جو کہ ذالقرنین علیہ السلام کے واقعے سے فوراً پہلے مذکور ہے میں موسیٰ علیہ السلام اور وہ اللہ کا غلام جب ایک اللہ کی نافرمان بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس میں ایک دیوار کو پاتے ہیں جو گرنے والی تھی اللہ کا غلام اس دیوار کو دوبارہ ٹھیک کر دیتا ہے۔ اس آیت میں اور پھر آگے جا کر جب اللہ کا غلام موسیٰ علیہ السلام کو ان واقعات کی تاویل بتاتے ہیں جو پیش آئے تو وہاں بھی یہی لفظ آیا ہے۔

**وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا** .

اور جو دیوار پس تھی دو لڑکوں کی جو یتیم تھے مدینہ میں اور تھا اس کے نیچے خزانہ ان کے لیے اور تھے ان کے والدین اصلاح کرنے والے۔ ان دونوں آیات میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ان میں دیوار کے لیے لفظ جدار استعمال ہوتا ہے۔ اور پھر اگر ذالقرنین علیہ السلام نے حقیقت میں کوئی دیوار ہی تعمیر کی تھی تو پھر لفظ جدار کا استعمال ہونا چاہیے تھا۔ اس لیے اللہ سبحان و تعالیٰ اس سوال کا جواب تو یہیں دے دیتے ہیں کہ وہ کوئی ایک دیوار نہیں تھی۔ بلکہ دو سے زائد رکاوٹیں تھیں۔ جن میں سے دو کے جوابات پیچھے گزر چکے اور اب ان شاء اللہ آگے تیسری کیساتھ دوبارہ آئیں گے۔

وہ کون سی سدین یعنی دو رکاوٹیں جن کے درمیان ذالقرنین علیہ السلام پہنچے۔ جیسا کہ ہم پیچھے جان چکے ہیں کہ اگر وہ وہی سدین ہوتیں جن کو درمیان سے بھر کر بند کر دیا تھا تو پھر اللہ سبحان و تعالیٰ یہاں سدین کا لفظ استعمال نہ کرتے بلکہ

السَّدِّينَ کی بجائے الصَّدَفِینَ کا لفظ استعمال کرتے۔

اور پھر اگر وہی سدید تھی جن کے درمیان پہنچے اور انہیں لوہے کے ٹکڑوں سے بھر کر پگھلا ہوا تانبہ ڈال کر بند کر دیا تو پھر وہاں

الصَّدَفِینَ کی بجائے لفظ السَّدِّینَ ہوتا۔

اس لیے قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ **حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدِّينَ** یہاں تک کہ وہ پہنچا سدید کے درمیان۔ پہنچا

سدین کے درمیان لیکن بھر کر بند کن کو کیا ان کے لیے قرآن یہ کہہ رہا ہے **اتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ** <sup>ط</sup> **حَتَّىٰ إِذَا**

**سَاوِي بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ** لاؤ مجھے دو لوہے کے ٹکڑے یہاں تک کہ جب بھر کر برابر ہو جائے دنوں چٹانوں کے درمیان۔

ہم بار بار اس پر زور اس لیے دے رہے ہیں کیونکہ یہ بھی عام کیا گیا ہے کہ قرآن ذالقرنین علیہ السلام کے تیسرے سفر کے حوالے بالکل خاموش ہے کہ وہ مقام کہاں تھا جہاں اس قوم کے لیے رکاوٹ بنائی یا جوج اور ماجوج سے حفاظت کے لیے۔ پھر وہی بات اگر ہم یہ کہیں گے کہ قرآن اس حوالے سے خاموش ہے تو یہ کھلم کھلا اللہ سبحان و تعالیٰ پر افتراء ہوگا کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے اس سوال کا جواب ہی نہیں دیا کیونکہ ہم نے پورا قرآن چھان مارا لیکن کہیں اس کا جواب نہیں ملتا۔ سبحان اللہ

اللہ سبحان ہے، پاک ہے اس سے کہ اس نے اپنے کلام میں کوئی خامی چھوڑی ہو۔ خامی ہم میں ہے۔ اگر ہم سمجھ نہیں پائے تو قصور ہمارا ہے ہم نے خود کو قصور وار ٹھہرانے کی بجائے خود کو عقل قل اور قرآن کو نامکمل قرار دیا اپنے عمل سے خواہ ہم زبان سے لاکھ دعوے کر رہے ہوں کہ قرآن مکمل ہے اس میں سب کچھ اللہ نے بیان کر دیا۔

بہر حال الحمد للہ، صرف اور صرف اللہ کے فضل سے پیچھے ہم نے جو بیان کی اس کی روشنی میں قرآن بالکل واضح بتا رہا ہے کہ ان کا تیسرا سفر سدید یعنی دور کا وٹوں کے درمیان تھا جو کہ وہ دور کا وٹیں نہیں جنہیں بند کیا گیا۔ کیونکہ وہ تو اس مقام پر تھیں جہاں وہ پہنچے۔ اور قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ وہ دور کا وٹوں کے درمیان پہنچے۔ اگر تو قرآن یہ کہتا کہ وہ دو کا وٹوں کے پاس پہنچے تو اس سے مراد یہی تھا کہ یہ انہیں دور کا وٹوں کا ذکر ہے جن کے پاس وہ پہنچے لیکن جن دور کا وٹوں کے درمیان پہنچے وہ ان کے علاوہ ہیں۔

وہ پہنچے **السَّدِّينَ** کے درمیان اور بھر کر برابر کر دیا **الصَّدَفَيْنِ** صدین کو۔ دنوں الگ الگ ہیں۔

”الصَّادِقِينَ“ دوچٹائیں ”السَّادِّينَ“ دو رکاوٹوں کے درمیان ہیں جو کہ ضروری نہیں مادی ہوں بلکہ عین ممکن ہے ان میں سے ایک یا دونوں غیر مادی ہوں۔ کیونکہ قرآن ان آیات کے ذریعے بڑی صراحت سے اس کا جواب دیتا ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا

يُبْصِرُونَ. یس ۹

اور کردی ہم نے ان کے آگے سے رکاوٹ اور ان کے پیچھے سے رکاوٹ پس ڈھانپ دیا ہم نے انہیں پس وہ نہیں دیکھنے والے۔

اس آیت میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے جس سد کا ذکر کیا ہے اس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ وہ سد کوئی مادی سد نہیں ہوتی یعنی اللہ سبحان و تعالیٰ ایسے لوگوں کے آگے اور پیچھے کوئی مادی رکاوٹ نہیں کرتے بلکہ یہ غیر مادی رکاوٹ ہوتی ہے جسے ہم عرف عام میں عقل پر پردہ پڑ جانا کہتے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ ایسی سد کا کوئی مادی وجود نہیں ہوتا تو بالکل واضح ہے کہ لازم نہیں سد کے معنی کسی مادی دیوار کے ہیں۔ سد میں غیر مادی رکاوٹ کے معنی مادی رکاوٹ پر غالب ہیں۔ اس لیے جہاں بھی سد کا ذکر آئے گا اگر تو وہاں ساتھ ہی کسی مادی سد کی کھول کرو ضاحت کردی جاتی ہے تو وہ مادی سد ہی ہوگی لیکن اگر جہاں سد کا لفظ آئے اور ساتھ کسی مادی سد کی وضاحت موجود نہ کی جائے جیسے جدار، جبل وغیرہ سمیت کسی بھی قسم کی مادی رکاوٹ تو وہاں سد کے معنی غیر مادی رکاوٹ کے ہوں گے نہ کہ مادی رکاوٹ کے۔ اور جہاں سد کے لفظ کے ساتھ کسی غیر مادی رکاوٹ کی وضاحت کردی جائے اور اس کے باوجود وہاں سد کا لفظ جمع کے صیغہ میں آئے تو پھر وہاں اس غیر مادی رکاوٹ کے علاوہ مادی رکاوٹوں کے معنی پیچھے رہ جائیں گے۔ اور یہاں پر مادی رکاوٹ کی صراحت کے ساتھ وضاحت کردی اللہ سبحان و تعالیٰ نے قرآن میں اس لیے پیچھے جو دو رکاوٹیں بچتی ہیں جن کے لیے واضح طور پر لفظ ”السَّادِّينَ“ کا استعمال ہوا ہے تو پھر اس مادی رکاوٹ کے علاوہ پیچھے صرف دو ہی رکاوٹوں کا ذکر ہے۔



اور سبحان اللہ۔ اللہ سبحان و تعالیٰ کا قرآن میں معجزہ دیکھیں۔ کہ اس پورے واقعے میں صرف دو مقامات پر لفظ ”سد“ کا ذکر کیا ہے۔ ایک مقام پر ”السَّدَّيْنِ“ دو رکاوٹیں۔ اور دوسرے مقام پر ”سَدًّا“ د کے اوپر شد کے ساتھ دوز بروں کے آنے سے اس کے معنی یوں بنتے ہیں ایک ہی مقام پر ایک ہی رکاوٹ۔ اور اگر د کے نیچے دوزیریں آتیں تو اس کے معنی ہوتے بکھریں ہوئی ایک ہی رکاوٹ یعنی رکاوٹ تو ایک ہی ہوتی لیکن وہ ایک سے زائد مقامات پر ہوتی۔ تو قرآن نے یہاں ہر ایسی رکاوٹ کی بھی نفی کر دی جو صرف ایک ہی مقام کی بجائے زیادہ مقامات پر موجود ہو یعنی کہ لمبائی میں ہو۔ اور یہ اللہ سبحان و تعالیٰ کا قرآن میں بہت بڑا معجزہ ہے کہ اس طرح بہت صراحت کے ساتھ کھول کر بیان کر دینا۔

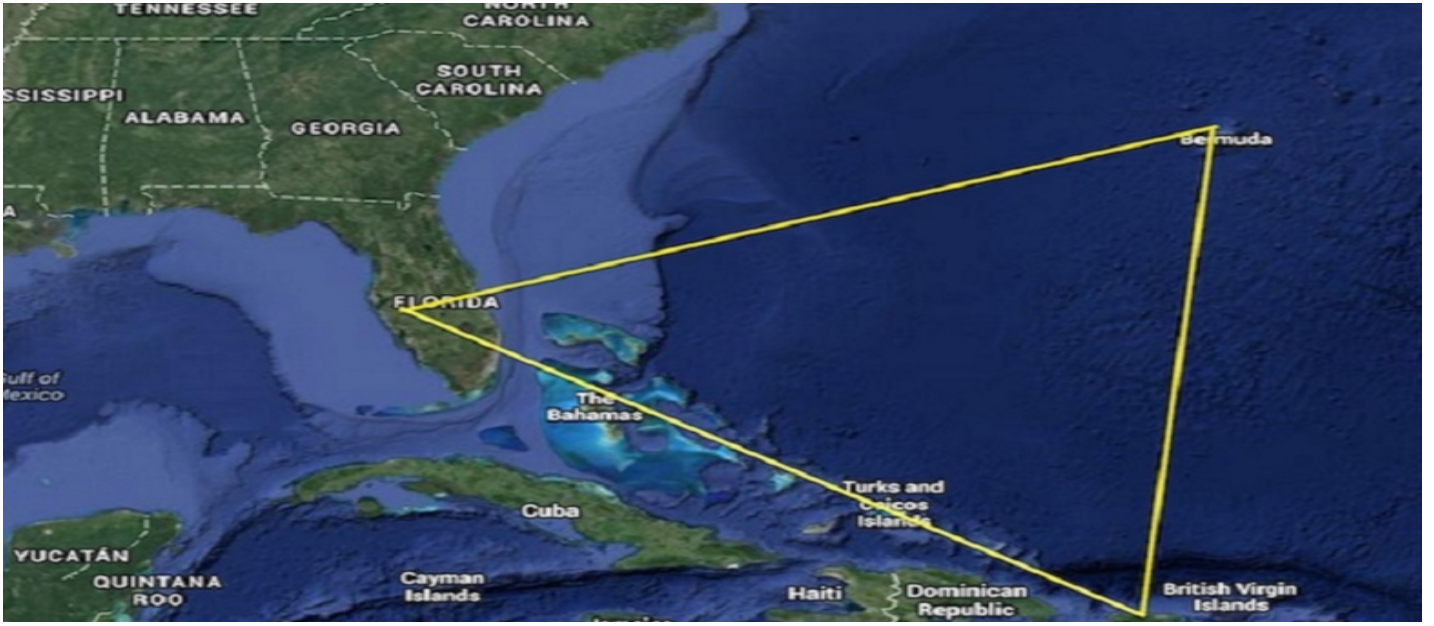
”السَّدَّيْنِ“ دو رکاوٹیں۔ جمع۔ ”سَدًّا“ ایک ہی مقام پر ایک ہی رکاوٹ، یہ مجموعی تین رکاوٹیں بن جاتی ہیں۔ پھر ایک کی صراحت کے ساتھ وضاحت کر دی کہ وہ رکاوٹ دو چٹانوں کے درمیان درے کو لوہے اور تانبے سے برابر کیا گیا۔ پیچھے ”السَّدَّيْنِ“ صرف دو رکاوٹیں رہ گئیں تو عربی اور قرآن کے اسلوب کے مطابق وہ سو فیصد کلی طور پر غیر مادی رکاوٹیں ہیں۔ جنہیں ہم نے جاننا ہے

اب ہمیں سب سے پہلے یہ جاننا ہے کہ وہ ”السَّدَّيْنِ“ کہاں ہیں۔ جس سے ہم پر نہ صرف یہ واضح ہو جائے گا کہ وہ مقام کہاں تھا جہاں ایک تیسری سد بنائی ذالقرنین علیہ السلام نے بلکہ اس کے علاوہ بھی چونکا دینے والے راز ہم پر افشاں ہوں گے۔ ان شاء اللہ۔ جس کے لیے ہمیں قرآن سے ہی راہنمائی لینی ہے۔ اور آیات یہی بتا رہی ہیں کہ وہ

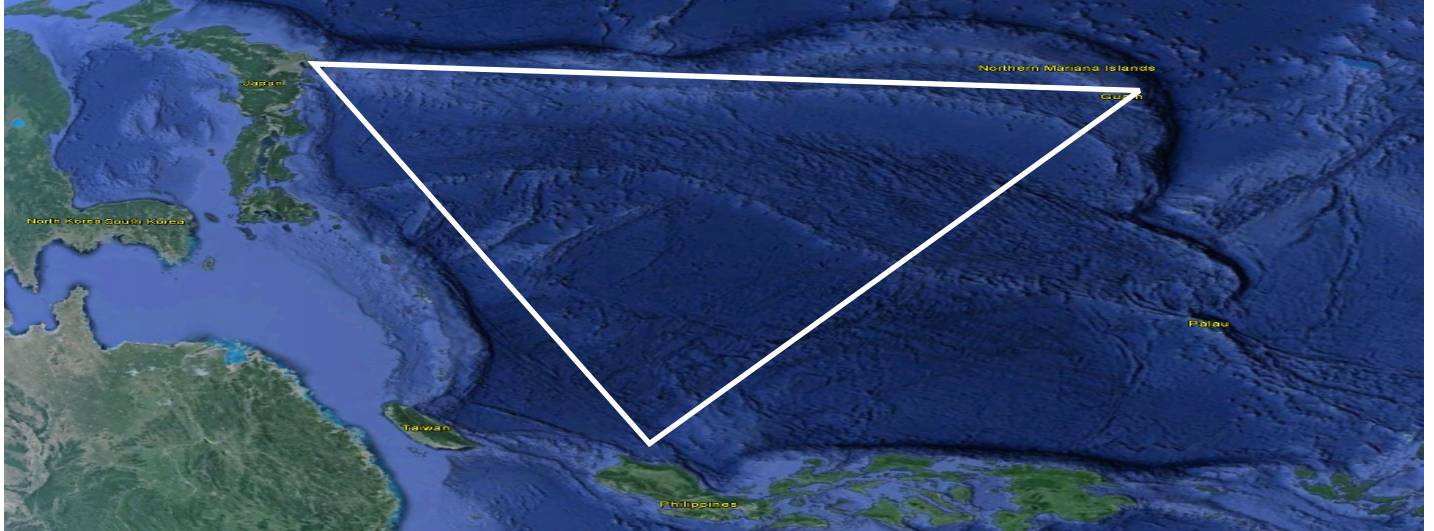
”السَّدَّيْنِ“ سورة الکہف میں اسی مقام پر ذالقرنین کے واقعے میں مذکور ہیں۔ اس لیے ہمیں پیچھے جانا ہوگا۔ جہاں سے ذالقرنین علیہ السلام کا واقعہ شروع ہوتا ہے۔

جس پر پیچھے تفصیل سے بات ہو چکی اور ہم یہ بھی جان چکے ہیں کہ وہ مغرب اور مشرق میں نحاس کی دو رکاوٹیں تھیں ان دونوں رکاوٹوں کے درمیان ذالقرنین سلیمان علیہ السلام پہنچے جہاں صد فین یعنی دو چٹانیں تھیں جنہیں بند کیا۔ درج ذیل تصاویر میں مکمل راہنمائی کی گئی ہے۔

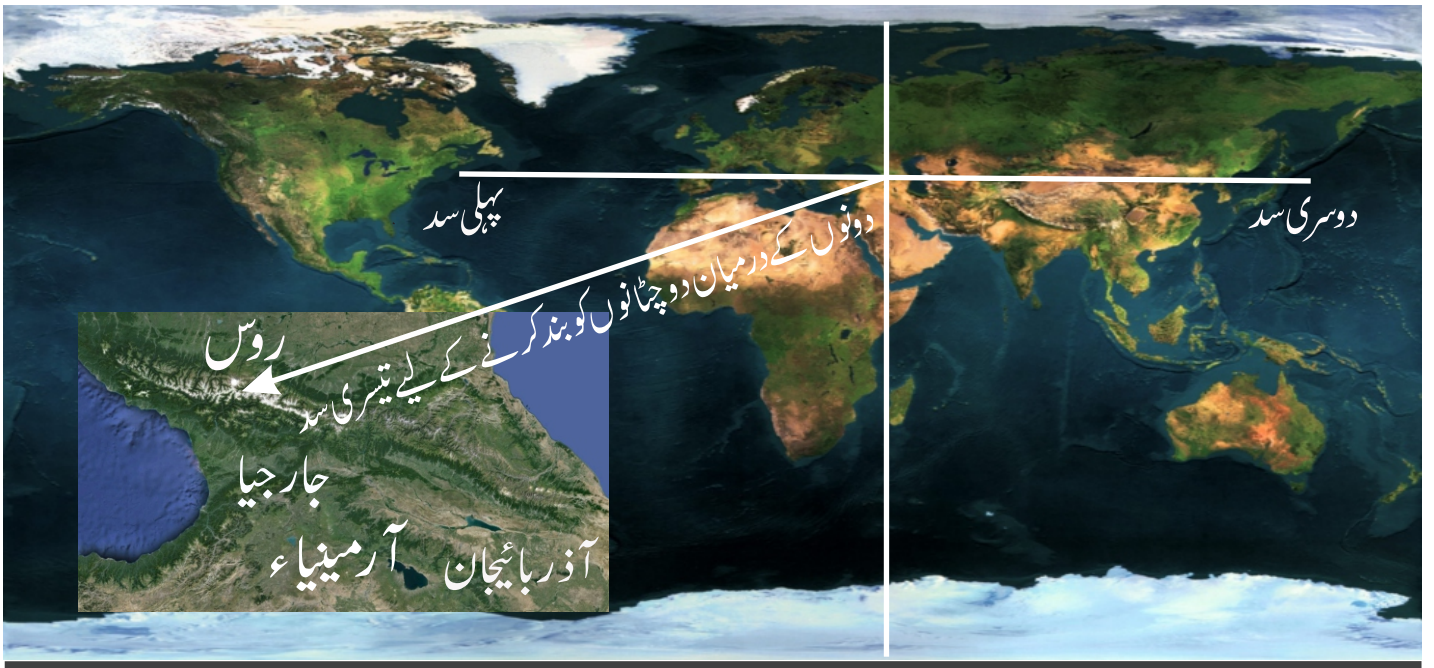
## پہلی سد کا مقام



## دوسری سد کا مقام



سدین یعنی ان دونوں رکاوٹوں کے درمیان پہنچ کر دو چٹانوں کے درمیان تیسری سد بنانے کا مقام۔





## Bezengi Wall



حیران کن طور پر آج بھی اس مقام سے انتہائی زنگ آلود پانی کا چشمہ بہتا ہے جو اس بات کا واضح ثبات ہے کہ یہاں وسیع مقدار میں لوہا موجود ہے جو موسمی اثرات کی وجہ سے زنگ آلود ہو کر برف پگھلنے والے پانی کے ساتھ بہہ رہا ہے۔ جس کی تصاویر آپ دیکھ سکتے ہیں۔





جب ہم مغرب و مشرق کی سدا میں کے درمیان پہنچیں تو جو علاقہ بنتا ہے وہ آپ کے سامنے ہے اور جب ہم روایات میں دیکھیں تو حیران کن طور پر ہمیں جو روایات میں ملتا ہے وہ دیکھیں۔

**ابن عباس رضی اللہ عنہ فی قولہ : حتی اذا بلغ بین سدا میں . قال :**

**الجبلیں ، أرمینیہ وأذربيجان . الدر المنثور ، ابن المنذر**

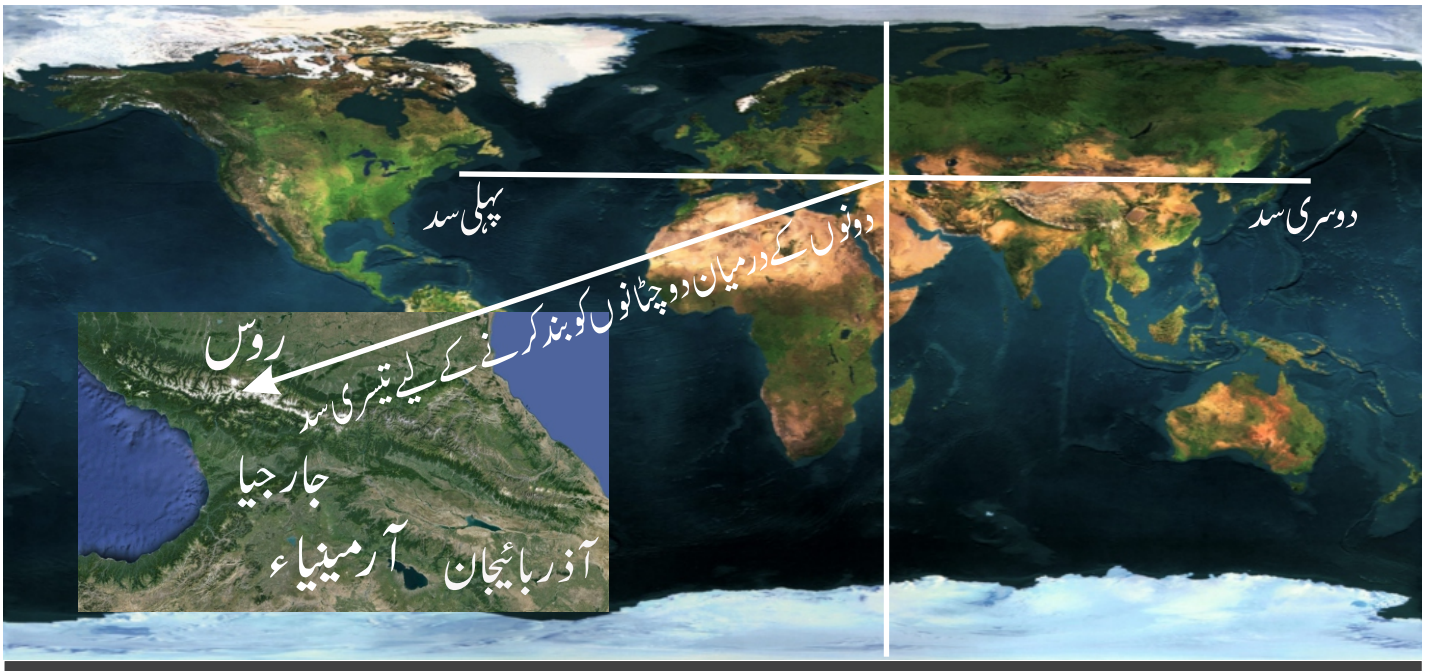
ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے قول میں ”یہاں تک کہ پہنچا دو رکاوٹوں کے درمیان“ کے بارے میں کہا۔ یہ دو پہاڑ تھے آرمینیا اور آذربائیجان کے۔

**ابن عباس رضی اللہ عنہ فی قولہ : بین الصدفین ، قال الجبلیں . الدر**

**المنثور ، ابن المنذر ، ابن ابی حاتم**

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے قول میں ”بین الصدفین“ کے بارے میں کہا یہ دو پہاڑ ہیں۔

یعنی ذالقرنین سلیمان علیہ السلام مغرب اور مشرق والی نحاس کی رکاوٹوں کے درمیان جہاں پہنچے وہاں بھی دو رکاوٹیں تھیں لیکن وہ رکاوٹیں وہ تھیں جن کو درمیان سے بند کیا اور وہ دو چٹانیں تھیں۔ جنہیں قرآن نے صدفین کہا یعنی چٹانیں تھیں ان کے درمیان درہ تھا جسے بند کیا اور یہ آرمینیا اور آذربائیجان میں ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق یہ بالکل وہی جگہ بنتی ہے جہاں ہم قرآن کی راہنمائی سے پہنچے جو درج ذیل تصاویر میں واضح ہے۔





اب ایک بہت ہی ضروری سوال جس کا جواب جاننا بھی بہت ضروری ہے وہ یہ کہ ذالقرنین سلیمان علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے اس عظیم حکومت ملنے کا پس منظر کیا تھا۔ جس کا جواب جاننے کے لیے ہم قرآن سے ہی راہنمائی لیں گے۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَتْلُوا عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا

اور سوال کرتے ہیں تجھ سے ذالقرنین کے بارے کہو میں تلاوہ کرتا ہوں تم پر اس سے ذکر

إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا

اس میں کچھ شک نہیں ہم نے حکومت دی تھی اسے زمین میں اور دیے تھے اسے تمام کی تمام اشیاء سے اسباب

پیچھے ہم بہت تفصیل سے جان چکے ہیں کہ الحمد للہ، ذالقرنین سلیمان علیہ السلام تھے لیکن اس کے باوجود مزید جہاں بھی اللہ سبحان و تعالیٰ نے مزید اس سوال کے جوابات دیئے ہم ساتھ ساتھ ان پر بھی بات کرتے جائیں گے۔  
تو پہلی آیت سوال ہے کہ ذالقرنین علیہ السلام کون ہیں اور دوسری ہی آیت میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے اس کا جواب بھی دے دیا۔ کہ ذالقرنین علیہ السلام وہ ہیں جنہیں ہم نے زمین میں حکومت دی تھی اور اسے تمام کی تمام اشیاء سے اسباب دیئے تھے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ نے دوسری ہی آیت میں جواب بالکل واضح کھول کر بیان کر دیا۔ اب ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس شخصیت کو تلاش کریں۔ تاریخ کو پھرو لیں اور تلاش کریں کہ کون سی ایسی شخصیت گزری ہے جو شخصیت مومن تھی۔ جس کو اللہ سبحان و تعالیٰ نے زمین میں حکومت دی تھی اور جس کے لیے تمام کی تمام اشیاء سے اسباب دیئے تھے لیکن اللہ سبحان و تعالیٰ نے قرآن کو کئی مقامات پر احسن القصص قرار دیا۔ یعنی قرآن سے احسن تاریخ کی بھی کوئی کتاب نہیں اس لیے اسی کتاب میں ہمیں وہ شخصیت بھی ملے گی۔

ذالقرنین علیہ السلام کون ہیں اللہ سبحان و تعالیٰ نے اگلی ہی آیت میں اس کا جواب دیا کہ ذالقرنین علیہ السلام وہ ہیں جنہیں زمین میں حکومت اور تمام کی تمام اشیاء سے اسباب دیئے تھے۔ اب یہاں ایک اور مزید سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی شخصیت تھی جس کو اللہ سبحان و تعالیٰ نے تمام کی تمام اشیاء سے اسباب دیئے تھے۔ اب ہمیں قرآن سے اس کا جواب تلاش

کرنا ہے۔ جس کا جواب ہمیں درج ذیل آیات میں ملتا ہے۔

پورے قرآن میں صرف دو ہی ایسی شخصیات ملتی ہیں جنہیں تمام اشیاء سے دیا گیا۔ ایک ملکہ سباء تھی اور دوسرے سلیمان علیہ السلام تھے۔ اس کے علاوہ قرآن نے کسی بھی ایسی شخصیت کا ذکر نہیں کیا جسے کُلّ شَیْء سے دیا گیا ہو۔

إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ.

النمل ۲۳

میں نے پایا ایک عورت کو حکومت کرتی ہے ان پر اور دیا گیا اسے تمام اشیاء سے اور ہے اس کا عرش عظیم۔

وَوَرِثَ سُلَيْمَنُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۖ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ. النمل ۱۶

اور وارث بنایا سلیمان علیہ السلام کو داؤد علیہ السلام کا اور اس نے کہا اے انسانوں علم دیا گیا ہمیں فضا میں تیرنے والوں کی منطق کا اور دیا ہمیں تمام کی تمام اشیاء سے، اس میں کچھ شک نہیں یہ اس کا کھلم کھلا فضل ہے۔

قرآن نے ذالقرنین کی جو صفات بیان کیں وہ ایک مرد کی ہی ہو سکتی ہیں اور ہیں نہ کہ عورت اس لیے ذالقرنین ایک مرد تھے اور ملکہ سبا ایک عورت تھی جس وجہ سے وہ تو ذالقرنین ہو نہیں سکتی۔ دوسری بات ملکہ سباء پہلے مشرک تھی جب تک اس کے پاس کُلّ شَیْء سے تھا۔ جب ایمان لے آئی تو اس کی حکومت بھی سلیمان علیہ السلام کی حکومت میں ضم ہو گئی۔ اس لیے ہر لحاظ سے پیچھے صرف ایک ہی شخصیت ہے اور وہ سلیمان علیہ السلام تھے۔ تو الحمد للہ قرآن نے بالکل صراحت کیساتھ واضح کر دیا کہ وہ شخصیت جس کو اللہ سبحان و تعالیٰ تمام کی تمام اشیاء دی تھیں وہ سلیمان علیہ السلام تھے۔ ذالقرنین سلیمان علیہ السلام تھے۔

فَاتَّبَعَ سَبَبًا

## پس اتباع کی اس نے اسباب کی۔

ذالقرنین سلیمان علیہ السلام نے اتباع کی یعنی انہیں اللہ نے جو ہر شے سے اسباب دیئے ہوئے تھے ان اسباب میں سے ان کے پاس خبر آئی اور اس خبر کی اتباع میں نکلے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ خبر کی اتباع میں کیوں نکلے۔ تو اس کا جواب بھی قرآن سے ہی لیتے ہیں۔

اور جب تک ہم نے اس کا جواب حاصل نہ کیا تب تک ہمیں ذالقرنین کے واقعے کو سمجھنے کا نہ ہی فائدہ ہوگا اور نہ ہی ہم یا جوج اور ماجوج اور فتنہ دجال کو جان پائیں گے اس لیے اسے سمجھنا لازم ہے کہ ہم اس واقعے کو سمجھتے ہوئے آگے بڑھیں۔ ذالقرنین سلیمان علیہ السلام اس خبر کی اتباع میں کیوں نکلے اس کے جواب کے لیے ہم اس کے پس منظر کو سمجھتے ہیں۔ جو یہاں سے شروع ہوتا ہے۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ ۖ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝ ۳۰

اور ہر طرح سے آزما کر جب وہ ہر آزمائش پر پورے اترے تو ہم نے داؤد کو سلیمان دیا، سب سے بہتر غلام تھا، اس میں کچھ شک نہیں وہ اوواب تھا۔

اس آیت میں کچھ الفاظ کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

وَوَهَبُ۔ کسی کو ہر طرح سے آزما کر اس وقت کوئی شے دینا جب کہ وہ ہر آزمائش پر پورا اتر کر ثابت کر دے کہ وہی اس کا اہل ہے۔

أَوَّابٌ، أَوْبِي۔ ایسے گناہ، جرم وغیرہ سے توبہ کرنے کو کہتے ہیں جو اللہ کے غلام سے سرزد ہو لیکن اس غلطی، گناہ یا جرم وغیرہ کا ذمہ دار وہ غلام نہ ہو بلکہ وہ غلام ایسا کام جو گناہ، جرم یا غلطی ہے وہ خالق و مالک کی طرف سے خالق و مالک کی غلامی سمجھ کر ہی کرے لیکن اس وقت اسے اس کا شعور نہ ہو اس لیے کہ خالق و مالک نے خود ہی کسی نہ کسی وجہ سے اپنے امر کے ذریعے اس سے وہ کام خود کروایا ہو اور جب غلام کو اس کا شعور آ جائے، ادراک ہو جائے یا احساس ہو جائے تو وہ خالق و

مالک کی ہی طرف سے ہوگا اور غلام فوراً اپنے خالق سے رجوع کرے کیونکہ غلام کبھی بھی اپنے خالق و مالک کی نافرمانی نہیں کرتا الا یہ کہ اسے شعور نہ ہو یا جب خالق کے قانون میں ہو کہ اب غلام نے وہ عمل ترک کرنا ہے تو خالق و مالک اپنے قانون کے مطابق اپنے غلام سے وہ عمل ترک کروادے۔ اور یہ اللہ سبحان و تعالیٰ کی طرف سے اپنے غلام کے لیے امتحان کی غرض سے نہ صرف آزمائش ہوتی ہے بلکہ اس کی تربیت بھی ہوتی ہے جس سے اسے علم و حکمہ حاصل ہوتے ہیں۔ یہ عربی میں اواب کہلاتا ہے۔

اس آیت میں اللہ سبحان و تعالیٰ کہہ رہے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کو اللہ سبحان و تعالیٰ نے ہر طرح سے آزمائش میں ڈالا جب وہ ہر طرح سے ہر آزمائش پر پورے اترے تو انہوں نے ثابت کر دیا کہ وہ اس کے اہل ہیں جس کے لیے انہیں آزمایا گیا۔ اور اللہ سبحان و تعالیٰ کا قانون ہے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ آزمائش صرف اور صرف اسی پر لاتے ہیں جو دعویٰ کرتا ہے۔ مثلاً آپ نے دعویٰ کیا کہ آپ فلاں کام کر سکتے ہیں اور آپ کو وہ کام دینے سے پہلے آزمایا جائے کہ کیا حقیقت میں آپ کر سکتے ہیں یا وہ محض آپ کا جھوٹا دعویٰ ہے۔ تو اسی طرح جب داؤد علیہ السلام دنیا میں موجود تھے تو اللہ کے قانون میں ایسی شخصیت کی گنجائش تھی جسے کوئی ذمہ داری دینا مقصود تھی۔ اور وہ تھی زمین پر حکومت کا دینا اس مقصد کے لیے کہ زمین کی اصلاح کی جائے جو اس میں فساد کیا جا چکا ہے اس فساد کو ختم کیا جائے۔ جس کے لیے داؤد علیہ السلام کے اعمال یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ اس وقت دنیا میں وہی ایک ایسے انسان موجود ہیں جو اس ذمہ داری کو بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔ جس کے لیے اللہ سبحان و تعالیٰ نے انہیں مختلف طریقوں سے آزمایا۔ مثلاً اللہ سبحان و تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو زمین کے ایک چھوٹے حصے پر حکومت دی اور وہ تمام وسائل دیئے کہ جن سے اگر انسان کے پاس زمین پر اختیار ہو تو وہ اصلاح کے نام پر فساد کرے۔ کیونکہ شیطان نے ان وسائل کو ان اسباب کو مزین ہی اتنا کر دیا ہے انسان کے لیے کہ انسان چاہتے یا نہ چاہتے ان کے ذریعے فساد کا مرتکب ہو جاتا ہے اور اللہ کے غضب کا شکار ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يَجِبَالُ أَوْبَىٰ مَعَهُ وَالطَّيْرِ ۚ وَالنَّارُ لَهُ الْحَدِيدَ ۚ سبَا

۱۰

اور تحقیق کے لیے دیا ہم نے داؤد کو اپنے فضل سے، اے پہاڑ واوبی ہو جاؤ اس کے ساتھ اور فضاء میں تیرنے والو، اور نرم کر دیا اس کے لیے ہم نے لوہے کو۔



إَصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَادْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ ۚ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝ ۱۷  
 سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعُشِيِّ ۚ وَالْإِشْرَاقِ ۝ ۱۸ وَالطَّيْرِ مَحْشُورَةً ۝  
 كُلٌّ لَهُ أَوَّابٌ ۝ ۱۹

صبر کر اس پر جو یہ آگے سے جواب دیتے ہیں اور یاد کر ہمارے غلام داؤد قوت و طاقت والے کو۔ اس میں کچھ شک نہیں وہ اواب۔ اس میں کچھ شک نہیں ہم نے مسخر کر دیا پہاڑوں کو اس کے ساتھ جیسے ہی انہیں حکم دیا جائے اس پر فوری عمل کریں جو ان کے اندھیروں میں اور جو سامنے واضح ہے اس کے ساتھ۔ اور فضاء میں تیرنے والوں کو جمع کر دیا، تمام کے تمام اس کے لیے اواب۔

اواب کے معنی پیچھے گزر چکے ہیں۔ جس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو آزمائش کے طور پر کسی ایسے کاموں میں ڈالا تھا جو اللہ کی بجائے طاغوت کی غلامی تھے اور یہ اللہ سبحان و تعالیٰ کی طرف سے ان کی آزمائش کے لیے امتحان تھا لیکن جیسے ہی انہیں اس کا شعور ہوا تو انہوں نے فوراً اللہ کی طرف رجوع کیا یوں وہ اللہ کی طرف سے اس ان آزمائشوں پر پورے اترے۔ موضوع لمبا ہونے کے ڈر سے ہم ان آزمائشوں کی تفصیل یہاں بیان نہیں کریں گے بہر حال آگے جا کر واضح ہو جائے گا جیسے اللہ سبحان و تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا ایک تو ان کے امتحان کے لیے اور دوسرا اس ذریعے سے ان کی تربیت ہوا انہیں علم و حکم حاصل ہو جس سے ان میں مزید نکھار آئے۔

پھر اس آیت میں فضاء میں تیرنے والوں کے لیے بھی یہی لفظ استعمال ہوتا ہے۔ پرندوں کا شمار بھی فضاء میں تیرنے والوں میں ہوتا ہے۔ پرندوں کے علاوہ پہاڑوں کے لیے بھی قرآن میں اللہ سبحان و تعالیٰ کا یہ لفظ استعمال کرنا بالکل کھول کر بتاتا ہے کہ وہ پرندے اور پہاڑ پہلے اللہ کی بجائے طاغوت کی غلامی کر رہے تھے لیکن پرندے چونکہ اللہ کے غلام ہیں اور اللہ سبحان و تعالیٰ نے پرندوں کو انسان کے لیے مسخر کیا ہوا ہے اس لیے اگر پرندے ایسا کرتے ہیں تو وہ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اللہ سبحان و تعالیٰ کے حکم سے کرتے ہیں وہ اللہ کی غلامی کی ہی وجہ سے طاغوت کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ نے پرندوں اور پہاڑوں کو جب طاغوت کی غلامی سے ہٹا کر داؤد علیہ السلام کی غلامی میں دے دیا تو اس کا مطلب ہے کہ اس سے پہلے دنیا میں بہت بڑی سطح پر فساد کیا جا رہا تھا۔ کیونکہ پہاڑوں کی عشی یعنی ان کے اندھیروں میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے اپنی ایسی

آیات رکھی ہیں جن سے آج اسلحہ و بارود سمیت بہت کچھ بنایا جا رہا ہے۔ ایٹمی بم یورینیم سے بنایا جاتا ہے اور یورینیم بھی صرف اور صرف پہاڑوں میں پائی جاتی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو یہ تمام وسائل دیئے جو اس وقت زمین پر اللہ کے دشمنوں کے پاس بھی موجود تھے لیکن اللہ کے دشمن ان سے اللہ کی زمین کے بحر و بر میں فساد کر رہے تھے اور داؤد علیہ السلام کے لیے یہ سب کچھ امتحان تھا کہ آیا وہ ان کے استعمال سے زمین کو فساد سے پاک کرتے ہیں یعنی اس کی اصلاح کرتے ہیں یا پھر وہ بھی ان سب کا استعمال وہی کرتے ہیں جو ان سے پہلے اللہ کے دشمن کر رہے ہیں۔

يٰۤاٰدٰوْدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ. ص ۲۶ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَاۤ اَبَاطِلًا ط ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ فَوَيْلٌۢ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِّنَ النَّارِ. ص ۲۷

اے داؤد اس میں کچھ شک نہیں ہم نے تجھے خلیفہ بنایا زمین میں پس فیصلہ کرو انسانوں کے درمیان حق کیساتھ اور نہ اتباع کرنا خواہشات کی پس تجھے اللہ کے رستے سے ہٹا دیں گی۔ اس میں کچھ شک نہیں جو اللہ کے رستے سے ہٹ گئے ان کے لیے سخت سزا ہے۔ اس کے ساتھ بھول گئے حساب کے دن کو۔ اور نہیں خلق کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے باطل، وہ ظن ہے ان کا جنہوں نے اس کا کفر کیا، پس ویل ہے ان کے لیے جنہوں نے کفر کیا آگ میں۔

انسان کو زمین پر حکومت ملنا صرف اور صرف اس لیے ہوتا ہے کہ وہ زمین پر اللہ کا نائب ہونے کے تقاضے پورے کرے لیکن جب کسی کو زمین پر حکومت ملتی ہے تو حکومت نام ہی طاقت و اختیار کا ہوتا ہے وہ کچھ انسان کے پاس آ جاتا ہے جو اس نے سوچا

بھی نہیں ہوتا جس سے پھر اکثر اللہ کے مقابلے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کے کاموں میں شریک ہونے لگتے ہیں ان وسائل کے ساتھ۔ ان وسائل کو اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے استعمال کرتے ہیں نہ کہ زمین کو فساد سے پاک کرنے کے لیے۔ یہی اللہ سبحان و تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام سے بھی کہا کہ اگر زمین پر حکومت ملی ہے تو یہ ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے اپنا نائب بنایا ہے اور دیکھنا کہیں جو کچھ تمہیں دیا ان کی وجہ سے حساب کے دن کو نہ بھلا دینا۔ کیونکہ انسان ان وسائل کو ایسے استعمال کرتا ہے کہ جیسے زمین میں ان سے کوئی خرابی نہ ہوگی یا پھر وہ اس کی ملکیت ہو گئے ہیں نہیں بلکہ وہ سب اسی مقصد کے لیے دیا کہ زمین میں اصلاح کرو اور جب یہ سب دیا گیا تو وہ وقت بھی آئے گا جب اس کا حساب بھی ضرور ہوگا۔ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں کہ اللہ کی ان آیات کا کیسے کفر کیا جا رہا ہے۔ اللہ نے یہ جو وسائل دیئے کافروں کے مقابلے کے لیے تو ہم نے بھی انہیں کی طرح یوم حساب کو بھلا کر ان سے اپنی خواہشات کو پورا کرنا شروع کر دیا جس سے ہم بھی ان کافروں کے ساتھ مل کر آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے میں فساد کر رہے ہیں۔

فَهَزَمُوهُمْ بِأَذْنِ اللَّهِ <sup>لَا</sup> وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ

وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ <sup>ط</sup> وَلَوْ لَا دَفَعُ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ <sup>لَا</sup>

لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ . البقرة ۲۵۱

پس مار کر شکست دی انہیں اللہ کے حکم سے اور قتل کیا داؤد علیہ السلام نے جالوت کو اور دی اسے اللہ نے سلطنت اور حکم اور علم اس سے جو اس کا قانون ہے۔ اور اگر نہ ہٹاتا اللہ انسانوں کو ان کے بعض کو بعض کے ساتھ تو ہو جاتا ہر طرف فساد زمین میں اور لیکن اللہ تمام عالمین پر فضل والا ہے۔

داؤد علیہ السلام پر اللہ سبحان و تعالیٰ نے جو آزمائش ڈالی وہ اس آزمائش پر پورے اترے انہوں نے اس امتحان میں کامیاب ہو کر یہ ثابت کر دیا کہ اس وقت زمین میں وہی اللہ کے خلیفہ ہونے کا حق ادا کر سکتے ہیں اور انہوں نے وہ حق ادا کیا۔ اللہ سبحان و تعالیٰ نے انہیں جب ہر طرح سے آزمایا تا کہ باقی انسان اس سے سیکھیں پھر اللہ سبحان و تعالیٰ نے اس مقصد کو پورا کرنے

کے لیے سلیمان علیہ السلام عطا کیے۔ انسان کو اتنی خوشی خود کچھ کرنے سے نہیں ہوتی جتنی خوشی اس کو اس کی اولاد کے کوئی کام کرنے سے ہوتی ہے۔

## وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ . النمل ۱۶

اور وارث بنایا سلیمان کو داؤد کا

داؤد علیہ السلام کے بعد اللہ سبحان و تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو وارث بنایا یعنی داؤد علیہ السلام کے بعد سلیمان علیہ السلام کو ان کی جگہ خلیفہ بنایا۔ اور پھر صرف یہ نہیں ہوگا کہ وارث بنا دیا تو انہیں آزمائش میں نہیں ڈالا جائے گا۔ یہ اللہ کے قانون کے خلاف ہے۔ اس لیے اللہ کا قانون ہی یہی ہے کہ انہیں آزمائش میں ڈالا جائے۔

## وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ ط نِعَمَ الْعَبْدِ ط اِنَّهٗ اَوَّابٌ . ص ۳۰

اور ہر طرح سے آزما کر جب وہ ہر آزمائش پر پورے اترے تو ہم نے داؤد کو سلیمان دیا، سب سے بہتر غلام تھا، اس میں کچھ شک نہیں وہ اواب تھا۔

آیت تین حصوں میں تقسیم ہے اور اس آیت میں اللہ سبحان و تعالیٰ سلیمان علیہ السلام کے لیے بھی لفظ ”اَوَّابٌ“ کا استعمال کیا جس سے واضح ہو گیا کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو بھی کسی آزمائش میں ڈالا یعنی ایسی آزمائش جو کہ اللہ کی بجائے طاغوت کی غلامی ہو اور انہیں اس کا شعور بھی نہ ہو کہ وہ اسے اللہ کی غلامی ہی سمجھ کر کر رہے ہوں اور پھر شعور آنے پر کیا رد عمل ظاہر کرتے ہیں آیا وہ اللہ کی طرف پلٹتے ہیں یا اسی روش پر قائم رہ کر آزمائش میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ ہم لفظ ”اَوَّابٌ“ کو سامنے رکھیں تو یہ صرف اسی کے لیے استعمال ہوگا جو شعور آنے پر فوری اللہ کی طرف رجوع کرنے والا اللہ کا غلام ہوگا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو کون سی آزمائش میں مبتلا کیا۔ تو اس کا جواب قرآن



یوں دیتا ہے۔

**وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَالْقَيْنَا عَلَى كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ . ص ۳۴**  
 اور تحقیق کے لیے فتنے میں مبتلا کیا ہم نے سلیمان کو اور ڈالا ہم نے اس کی کرسی پر ایک جسم پھر وہ پلٹا۔

**فتنہ۔** اسے ہم مثال سے سمجھتے ہیں مثلاً ایک شے بازار میں موجود ہو جب بھی کوئی بھی خریدنے جائے گا تو وہ خرید کر لیے آئے گا لیکن پھر ایسا ہو کے اس شے کی ایک سے زیادہ نقلیں بھی بازار میں آجائیں۔ اب جب آپ وہ شے خرید کر لائیں گے تو ممکن طور پر آپ نقلی خرید لائیں گے جس کے استعمال پر آپ کو ادراک ہوگا کہ آپ نقل خرید لائیں ہیں اب جب آپ جائیں گے خریدنے تو ایک ہی لیبل میں ایک سے زیادہ تعداد میں وہ شے موجود ہوگی اب آپ کو علم نہیں کہ ان میں سے اصل کونسی ہے۔ کیونکہ جب بھی کسی شے کی نقل تیار کی جاتی ہے تو اصل نقل کے مقابلے پر نقل نظر آتی ہے یوں انسان پر امتحان پیش آ جاتا ہے کہ آیا ان میں کون سی اصل ہے اور کون سی نقل جب تک کہ وہ استعمال کر کے نہ دیکھ لے۔ اس طرح امتحان میں پڑنے کو عربی میں فتنہ کہتے ہیں۔

**أَنَابَ .** امتحان میں ڈالے جانے کے بعد حق واضح ہونے پر فوری اللہ کی طرف پلٹنا۔

**كُرْسِيِّهِ . کرسی۔** یہ عربی میں حکومت کی نشانی کہلاتی ہے۔ مثلاً کسی شخص کی حکومت میں کوئی ایسا کام ہو جس سے نقصان ہو تو اس کی ذمہ داری اس کی حکومت پر عائد ہوگی اسے یہ کہا جائے گا کہ یہ نقصان فلاں کی کرسی پر ہے یعنی کہ فلاں شخص حکمران تھا اس کی حکمرانی میں یہ نقصان ہوا اس لیے اس کی حکومت ہی اس کی ذمہ دار ہے۔

**جَسَدًا .** ایک جسم۔

آیت میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے خلیفہ بننے کے بعد اللہ سبحان و تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو کسی ایسے امتحان میں ڈالا گیا کہ کسی شے کو وہ امتحان میں ڈالے جانے سے پہلے ٹھیک سمجھتے تھے لیکن جیسے ہی ان پر اس امتحان کے ذریعہ حق واضح ہوا کہ وہ شے نقل ہے تو سلیمان علیہ السلام فوراً اللہ کی طرف پلٹے یعنی اس شے کو ترک کر دیا کہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں تھی جسے وہ پہلے اللہ کی طرف سے سمجھ رہے تھے۔ پھر آیت کا اگلہ حصہ یوں ہے کہ ایک جسم کا نقصان ہوا اس کی ذمہ داری سلیمان علیہ السلام کی حکومت پر ڈالی گئی۔ اب کچھ مزید سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ وہ کون سا جسم تھا، کس کا تھا اور کیوں اس جسم کا نقصان ہوا جس کی ذمہ داری سلیمان علیہ السلام کی کرسی پر پڑی یعنی جس کی ذمہ داری سلیمان علیہ السلام کی حکومت پر عائد ہوئی۔

اس حوالے سے روایات میں ملتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے ہاں ایک عیب دار بچہ پیدا ہوا تھا جسے ان کی کرسی پر ڈالا گیا یعنی کہ وہ بچہ جو سلیمان علیہ السلام کے ہاں پیدا ہوا عیب دار تھا اور اس کی ذمہ داری سلیمان علیہ السلام کی حکومت تھی۔ اگر ایک بچہ عیب دار پیدا ہوا تو اس کا ذمہ دار اللہ نہیں۔ کیونکہ اللہ سبحان ہے وہ پاک ہے اس سے کہ عیب دار خلق کرے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ کسی بھی قسم کے عیب، نقص، کمی، خامی وغیرہ سے پاک ہے اللہ کے لیے صرف حمد ہے یعنی کہ جس شے میں حمد نہ ہو اس کی ذمہ داری اللہ سبحان و تعالیٰ کے علاوہ کسی اور پر عائد ہوگی۔ حمد اس میں ہوتی ہے جو ہر لحاظ سے کسی بھی نفی سے پاک ہوتی ہے جس میں کوئی عیب، خامی یا نقص وغیرہ نہ ہو، جو ہر لحاظ سے مکمل اور احسن ہو۔

اس لیے جب بھی اللہ کی کسی بھی خلق میں عیب ظاہر ہوگا، خرابی، نقص، خامی وغیرہ ظاہر ہوگی تو اس کی ذمہ داری اللہ کے علاوہ کسی اور پر عائد ہوگی۔ اللہ سبحان و تعالیٰ نے قرآن میں بالکل واضح کر دیا کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے سب اللہ کے غلام ہیں سوائے جنوں اور انسانوں کے۔ اسی لیے اللہ سبحان و تعالیٰ نے کہا۔

**وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ . الذاریات ۵۶**

**اور نہیں ہم نے خلق کیا جنوں اور انسانوں کو مگر اپنی غلامی کے لیے۔**

اس لیے اس کی ذمہ داری جنوں اور انسانوں میں سے ان پر عائد ہوگی جو اللہ سبحان و تعالیٰ کے خالق ہونے میں شریک ہوئے۔ یعنی اللہ سبحان و تعالیٰ خالق ہونے کے ناطے خلق کرتے ہیں اور اللہ سبحان و تعالیٰ نے خلق کرنے کے لیے ایک نظام

وضع کر دیا اس نظام کے تحت اللہ سبحان و تعالیٰ خلق کرتے ہیں۔ جب تک وہ نظام فطرت پر رہے گا تب تک ہر شے، اللہ کی ہر خلق فطرت پر رہے گی اور جب بھی کسی شے کو فطرت سے ہٹا دیا گیا تو اس میں خرابی ہوگی۔

اللہ سبحان و تعالیٰ نے ایک نظام وضع کر دیا جس کے ذریعے اللہ سبحان و تعالیٰ ماں کے پیٹ میں بچہ خلق کرتے ہیں۔ جس کے لیے مرد اور عورت اختلاط کرتے ہیں۔ مرد کے جسم سے مخصوص پانی کا اخراج ہوتا ہے جو عورت کے رحم میں جاتا ہے جس سے بچہ بنتا ہے۔ مرد کے جسم سے خارج ہونے والا پانی بیج ہوتا ہے جس سے بچہ پیدا ہوا۔ اور کسی بھی بیج میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے پورا ایک نقشہ رکھتا ہوتا ہے جس نقشے کے مطابق اس بیج سے درخت نکلتا ہے۔ اس نقشے کو انگلش میں ڈی این اے کہتے ہیں۔ ڈی این اے میں وہ تمام معلومات ہوتی ہیں جن معلومات کے مطابق شے خلق ہوتی ہے۔ مثلاً اگر ایک بیج میں موجود ڈی این اے میں پھل پیدا کرنے کی معلومات نہ ہوں تو اس بیج سے خلق ہونے والے درخت میں پھل اگانے کی صلاحیت نہیں ہوگی۔ بلکل اسی طرح ایک مرد کے نطفے میں موجود ڈی این اے میں تمام معلومات ہوتی ہیں۔ کہ اس سے وجود میں آنے والے بچے میں کیا کیا صلاحیتیں ہوں گی، اس کا رنگ، اس کا قد، بالوں کا رنگ، سائز، جسم پر کون کون سے اعضاء ہوں گے یا نہیں ہوں گے سمیت تمام کی تمام معلومات موجود ہوتی ہیں۔ اگر ڈی این اے میں پاؤں کی معلومات نہ ہوں تو اس سے پیدا ہونے والے بچے کا پاؤں خلق نہیں ہوگا۔ یعنی جو نقص ڈی این اے میں ہوگا وہی نقص اس سے وجود میں آنے والے بچے میں ظاہر ہوگا۔ ڈی این اے کو قرآن میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے کلمہ اور نسل کہا ہے۔ ڈی این اے یعنی کلمے یا نسل میں فساد رزق کے ذریعے ہوتا ہے۔ اگر رزق حلال طیب ہوگا تو نسل، کلمے یعنی ڈی این اے، بیج میں فساد نہیں ہوگا اور اگر رزق فطرت پر نہیں ہوگا تو اس سے ڈی این اے میں فساد اور اس ڈی این اے سے وجود میں آنے والا بچہ بھی عیب دار ہوگا۔

تو اگر سلیمان علیہ السلام کے ہاں ایک عیب دار بچہ پیدا ہوا تو اس کی وجہ صرف اور صرف یہی تھی کہ سلیمان علیہ السلام کے جس نطفے سے وہ بچہ وجود میں آیا اس نطفے میں موجود ڈی این اے میں ہی فساد تھا۔ اور وہ رزق کی وجہ سے ہوا تھا۔ یعنی اس وقت سلیمان علیہ السلام کی حکومت میں ایسا رزق اُگایا یا پیدا کیا جا رہا تھا جو فطرت پر نہیں تھا۔ لیکن سلیمان علیہ السلام ایسا صرف اور صرف غیر شعوری طور پر کر رہے تھے۔ انہیں اس کا شعور نہیں تھا۔

اور پھر جب قرآن میں غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کو اللہ سبحان و تعالیٰ نے جب خلیفہ بنایا تو اس وقت دنیا فساد کی زد میں تھی۔ دنیا میں مختلف حکومتیں قائم تھیں۔ ٹیکنالوجی عروج پر تھی اور سب سے زیادہ فساد حرث اور نسل یعنی فصلوں اور بیجوں میں کیا جا رہا تھا۔ جیسے آج موجودہ دور میں جینیٹکلی موڈیفائی اور گائمرز ہے۔ دجالی طریقے سے اگائی جانے والی پیدا کی جانے والی خوراک۔ جہاں قدرتی طریقے سے ایک ٹماٹر پیدا کیا جاتا ہے وہاں اس دجالی طریقے سے اتنی ہی مدت میں سو

سے زائد مٹاڑ پیدا کیے جا رہے ہیں۔ جہاں اللہ سبحان و تعالیٰ نے سال میں ایک بار فصل پیدا کرنے کا نظام بنایا تو وہیں اس دجالی طریقے سے سال میں چار چار بار سے زیادہ بار ایک ہی فصل پیدا کی جا رہی ہے حتیٰ کہ پورا سال وہی فصل اگائی جا رہی ہے۔ کھادوں اور کیمیکلز اور جینیٹیکل موڈیفائی یعنی فساد شدہ بیجوں کے ذریعے۔

پیچھے گزر چکا ہے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو کہا تھا کہ جو کچھ آپ کو دیا یعنی جو آپ کو ہم نے خلیفہ بنایا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ خواہشات کی اتباع کرنا شروع کر دیں۔ کیونکہ جو اسباب آپ کو دیئے گئے ہیں وہ اسباب اکثریت کو اللہ کے رستے سے ہٹا دیتے ہیں۔ تو یہی سلیمان علیہ السلام کے ساتھ بھی ہوا لیکن یہ اللہ سبحان و تعالیٰ کی طرف سے تھا تا کہ ان پر دجالیت واضح ہو سکے اور ان کی تربیت ہو۔

سلیمان علیہ السلام اپنی طرف سے ان وسائل سے ایسی خوراک پیدا کر کے یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ انسانیت کی خدمت کر رہے ہیں اصلاح کر رہے ہیں لیکن حقیقت کا انہیں شعور نہیں تھا۔ اور جب عیب دار بچہ پیدا ہونے سے ان پر حق واضح ہوا تو فوراً وہ اللہ کی طرف پلٹے ان پر حقیقت واضح ہو گئی کہ جسے وہ اصلاح سمجھ رہے تھے وہ تو فساد ہے۔

اور ان کی آنکھوں کے سامنے دنیا کی بڑی بڑی حکومتیں اسی طرح غیر فطرتی طریقوں سے اُگا رہی تھیں۔ حرث اور نسل میں فساد کر رہی تھیں اور سلیمان علیہ السلام پر اللہ سبحان و تعالیٰ نے اس امتحان کے ذریعے حق بالکل کھول کر واضح کر دیا۔ کہ یہ اصلاح نہیں بلکہ فساد ہے۔

حق واضح ہونے کے بعد سلیمان علیہ السلام نے اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا کی۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي ۖ إِنَّكَ أَنْتَ

الْوَهَّابُ . ص ۳۵

کہا اے میرے رب غفر کر میرے لیے اور آزمانے کے بعد دے میرے لیے سلطنت نہ ہو کسی ایک کے لیے بھی میرے بعد اس میں کچھ شک نہیں تو ہے آزمائشوں میں ڈال کر امتحان لیکر دینے والا۔

حق واضح ہو جانے پر سلیمان علیہ السلام نے اس لیے اللہ سبحان و تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ اللہ سبحان و تعالیٰ انہیں ایسی حکومت دیں تو وہ پوری دنیا کو اس فساد سے پاک کر دیں۔ اور جو اس فساد کے ذمہ داران ہیں انہیں عذاب دیں۔ تو اللہ سبحان و تعالیٰ



نے وہ حکومت عطا کی اور تمام کی تمام اشیاء سے اسباب دیئے۔ جن سے وہ پوری اللہ کی زمین کو فساد سے پاک کر دیں۔ اس وقت بھی خوراک کو سائنسی طریقوں سے اُگایا جا رہا تھا اور پوری زمین پر تقریباً یہی ہو چکا تھا۔ جیسے آج انسانوں کی اکثریت سائنسی طریقوں سے کھادوں سے اُگانے کو ترقی اور فائدہ مند سمجھتی ہے اسی طرح سلیمان علیہ السلام بھی یہی سمجھتے تھے۔ لیکن اللہ نے ایک امتحان کے ذریعے ان کی آنکھیں کھول دیں۔

سلیمان علیہ السلام بھی سائنسی طریقے سے پیدا کی ہوئی خوراک کھاتے رہے اسی سے نطفہ بنا اور اس نطفے سے جو عیب دار بچہ پیدا ہوا تو اسے دیکھ کر ان پر اس دجالی نظام کی اس دجل کی حقیقت کھل گئی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اللہ کے لیے صرف حمد ہے اگر کوئی شے عیب دار خلق ہوتی ہے یا کسی بھی شے میں کوئی عیب وغیرہ ہوتا ہے تو اس کا ذمہ دار اللہ سبحان و تعالیٰ نہیں، اللہ سبحان ہے۔ تو پھر کون اس کا ذمہ دار ہو سکتا ہے اس کا علم مخلوق میں سے نبی سے بہتر کس کو ہو سکتا ہے۔ اسی لیے تو اللہ سبحان و تعالیٰ بار بار اپنی ہی ذاتوں اور اپنی آیات میں غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے۔

جب سلیمان علیہ السلام نے غور کیا تو پتا چلا کہ یہ تو حرث اور نسل میں فساد کے سبب ہوا ہے تو سلیمان علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ مجھے ایسی حکومت دے جو میرے بعد کسی اور کی نہ ہو۔ تو کہ وہ اللہ کی زمین کو اس فساد سے کلی طور پر پاک کر دیں۔ پھر اللہ نے وہ تمام کے تمام اسباب دئے پھر ان اسباب سے سلیمان علیہ السلام یعنی ذالقرنین علیہ السلام نے پوری زمین کو فساد سے پاک کر دیا۔ اور جو اس فساد کے پیچھے تھے انہیں قید کیا قتل کیا انہیں کو اسی نظام کے خلاف استعمال کیا۔

اللہ سبحان و تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی دعا کو قبول کیا انہیں ایسی حکومت دی۔ جس کے لیے اللہ سبحان و تعالیٰ نے یہ کہا۔

وَوَرِّثْ سُلَيْمَنُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ط إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ. النمل ۱۶ وَحُشِرَ لِسُلَيْمَنَ جُنُودُهُ

مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ. النمل ۱۷

اور وارث بنا دیا سلیمان کو داؤد کا اور کہا اس نے اے انسانوں علم دیا گیا ہمیں فضا میں تیرنے والوں کی منطق کا اور دیا گیا ہمیں ہر شے سے، اس میں کچھ شک نہیں یہ اس کا کھلم کھلا فضل ہے۔ اور جمع کر دیں سلیمان کے لیے فوجیں

جنوں سے اور انسانوں سے اور فضا میں تیرنے والوں سے پس انہیں ترتیب وار کیا جاتا۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ. ص ۳۶ وَالشَّيْطَانِ كُلِّ  
بَنَاءٍ وَغَوَّاصٍ. ص ۳۷ وَآخَرَيْنَ مُقَرَّنَيْنِ فِي الْأَصْفَادِ. ص ۳۸ هَذَا عَطَاؤُنَا  
فَإَمْنٌ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ. ص ۳۹

پس اختیار میں دے دیا اس کے لیے ہوا کو بہتی اس کے امر سے (اگلے الفاظ بہت زیادہ وسعت رکھتے ہیں جن کا ترجمہ کرنا تقریباً ناممکن ہے اس لیے ان کے معنی بیان کریں گے یہ سلیمان علیہ السلام کے پاس کوئی ایسی سواری تھی جو انتہائی آرام دہ تھی اور انتہائی تیز رفتار جہاں پہنچنا چاہتے اسے ڈیکٹیٹ کرتے جاتے جیسے ہوائی جہاز اڑایا جاتا ہے۔ اگر بالکل قریب قریب یا پھر یقین کیساتھ کہیں تو یہ سلیمان علیہ السلام کے پاس ”یو ایف او“، یعنی اڑن تشریاں یا جیٹ جہاز وغیرہ تھے)۔ اور شیاطین سب میسن (مادی وغیر مادی تعمیرات کرنے والے، جیسے زمین کے گرد گیس کی سات تھیں ہیں اس طرح کی تعمیرات کرنے والے) اور گہرے پانیوں کے اندر تیرنے والے غوطہ خور۔ اور دوسرے جکڑے ہوئے ہتھکڑیوں میں۔ یہ ہماری عطا ہے پس امن دے یا اسی طرح قید رکھ کوئی حساب نہیں ہوگا۔

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ ط  
وَمِنَ الْجِنِّ مَن يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ ط وَمَنْ يَزِغُ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نُذِقْهُ  
مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ. صبا ۱۲ يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَّحَارِبَ وَتَمَاثِيلَ  
وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَاسِيَةٍ ط اِعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا ط وَقَلِيلٌ

## مِنْ عِبَادِي الشَّكُورُ . سب ۱۳

اور سلیمان کے لیے ہوا صبح اس کی ایک مہینہ (یعنی ایک مہینے کا سفر لو لگنے سے لیکر اندھیرا چھٹنے تک طے کر لیتے یعنی ایک ماہ کا سفر ایک آدھ گھنٹے یا اس سے بھی کم وقت میں طے کر لیتے) اور شام اس کی ایک مہینہ، (یعنی ایک مہینے کا سفر سورج غروب ہونے سے پہلے سے لیکر سورج کے غروب ہونے تک تقریباً ایک، آدھ گھنٹے یا اس سے بھی کم وقت میں طے کر لیتے) اور جاری کر دیا ہم نے اس کے لیے گھلے ہوئے تانبے کا چشمہ، اور جنوں سے جو کام کرتے تھے اس کے لیے اس کے سامنے اس کے رب کے حکم سے، اور ان میں سے جس نے ہمارے حکم کے علاوہ یا بتائے ہوئے مقصد کی بجائے کسی اور مقصد کے لیے کچھ کیا اس کے لیے ہمارا امر ہے ہم چکھائیں گے اسے عذاب سعیر سے۔

کام کرتے تھے اس کے لیے جو اس کا قانون ہے۔ جنگی ساز و سامان سے اور گزر رہی ہوئی قوموں کے پاس جو تھا اس کی مثلیں، اور بڑے بڑے تالاب کی مانند لوہے و تانبے وغیرہ کو پگھلانے والی کٹھیا لیاں، گھلے ہوئے لوہے و تانبے وغیرہ کو اٹھانے اور انڈھیلنے والے ایسے بڑے بڑے برتن کہ جنہیں پکڑنے اور انڈھیلنے کے لیے کنڈے لگے ہوں پہاڑوں کی طرح بلند اور غیر متزلزل جنہیں کوئی کھود نہ سکے، ڈھانہ سکے، سوراخ وغیرہ نہ کر سکے ایسی چوٹیاں بنانے کے لیے۔ داؤد کی اولاد جس مقصد کے لیے جو کچھ دیا اسی مقصد کے لیے استعمال کرو اور بہت تھوڑے ہیں میرے غلاموں میں سے جو اس مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں جس مقصد کے لیے یہ سب دیا گیا۔

شَاءَ . کہتے ہیں قانون کو۔ جو قانون وضع کر دیا یا بنادیا اسی کے مطابق کرنا یا اسی کے مطابق ہونا۔

مَحَارِبُ . جنگی ساز و سامان، اسلحہ و بارود وغیرہ





**تَمَثِيلٌ**. جو بھی ماضی میں تباہ ہونے والی قوموں، قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط، آل فرعون، قوم شعیب کے پاس ٹیکنالوجی تھی اس کی طرح کی نئی بنا دینا۔ یعنی اگر کوئی شے جو پہلے گزرے ہوؤں نے بنائی ہو اسی طرح کی دوبارہ بنا دینا۔ جیسا کہ پہلی قوموں کے زمین پر جو آثار نظر آتے ہیں۔ جو جو ٹیکنالوجی بھی پہلی قومیں بنا چکی تھیں اس میں سے جو بھی کہتے وہ بنا دیتے۔ جیسے آج موجودہ دور میں ٹیکنالوجی یعنی مشینوں وغیرہ سمیت جو کچھ بھی ہے۔





**جَفَانِ کَالِجَوَابِ** . لوہے، تانبے، سلور وغیرہ سمیت دھاتوں کو پگھلانے کے لیے بڑے بڑے برتن

”کٹھیا لیاں“ جیسے کہ تالاب ہوں۔ جب ان سے لوہا یا تانبہ پگھلا کر نکالا جائے تو اتنی مقدار میں نکلے کہ جیسے کوئی چشمہ جاری ہو گیا ہو۔



**قُدُورِ رَسِیت** . پہاڑوں کی طرح بلند اور غیر متزلزل جنہیں کوئی کھود نہ سکے، ڈھانہ سکے، سوراخ وغیرہ نہ کر سکے ایسی چوٹیاں بنانے کے لیے پگھلے ہوئے لوہے و تانبے وغیرہ کو اٹھانے اور انڈیلنے والے ایسے بڑے بڑے برتن کہ جنہیں پکڑنے اور انڈیلنے کے لیے گنڈے لگے ہوں۔



قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْا ائْتِكُمْ يَا تَيْنِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي  
 مُسْلِمِينَ. النمل ۳۸ قَالَ عَفْرِتُ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ  
 مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيَّ أَمِينٌ. النمل ۳۹ قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ  
 الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ  
 قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي ۚ لِيَبْلُوَنِي ۚ أَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ ۚ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا  
 يَ شْكُرُ لِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ. النمل ۴۰

سلیمان علیہ السلام نے کہا اے وزراء ہے تم میں کوئی جو آئے میرے پاس اس کے عرش کیساتھ اس سے پہلے کہ خود  
 ہی آئے سر تسلیم خم کرتے ہوئے۔ جواب دیا ایک عفریت نے جنوں میں سے میں لا دیتا ہوں تجھے اس کا عرش اس  
 سے پہلے کہ تو کھڑا ہوا اپنی جگہ سے، اور میں اس پر ہوں قوی امانت دار۔  
 کہا اس نے جس کے پاس علم تھا کتاب سے، میں لا دیتا ہوں تجھے اس سے پہلے کہ پھرے تیری طرف تیری نظر،  
 پس جب دیکھا اس نے پڑا ہوا اس کے پاس کہا یہ فضل سے ہے میرے رب کے۔ میری آزمائش کرنے کے لیے  
 کیا میں اس مقصد کے لیے یہ استعمال کرتا ہوں جس مقصد کے لیے یہ نعمت دی گئی یا میں کفر کرتا ہوں یعنی جس  
 مقصد کے لیے یہ سب عطا کیا گیا اس کے علاوہ اور مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہوں۔ اور جو اللہ کی دی ہوئی  
 نعمتوں کا استعمال اسی مقصد کے لیے کرتا ہے جس مقصد کے لیے دی گئیں تو وہ اپنے لیے ہی ایسا کرتا ہے اور جو کفر  
 کرتا ہے یعنی اس کے علاوہ اور مقاصد کے لیے اللہ کی نعمتوں کا استعمال کرتا ہے پس اس میں کچھ شک نہیں میرا  
 رب غنی کریم ہے یعنی اسے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

**عَفْرِیَّت.** بری نیت والا، چالاک، مکار، خیانتی یعنی امانت میں خیانت کرنے والا، ناقابل بھروسہ، شریر، لالچی، دھوکے باز، غدار، چالباز، لالچی، شیطان صفت، نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھنے والا، ماہر وغیرہ۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو جو اسباب دیئے ہوئے تھے ان میں سے چند یہ ہیں جن سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کتنا بڑا فضل کیا تھا سلیمان علیہ السلام پر۔ لیکن یہ ذہن میں ہونا چاہیے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا کوئی بھی کام، کوئی بھی حکم بے مقصد نہیں ہوتا۔ ایسا ہرگز نہیں کہ سلیمان علیہ السلام کو ان اسباب کے حصول کا شوق تھا جسے پورا کرنے کے لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ سب عطا کیا۔ بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ سب کسی مقصد کے لیے عطا کیا۔ اگر سلیمان علیہ السلام کی جگہ کوئی اور شخصیت ہوتی تو اسے بھی یہ سب کچھ عطا کیا جاتا لیکن سلیمان علیہ السلام ہی اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے قابل تھے جس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ سب کچھ دیا۔

پھر مزید یہ بھی ذہن میں ہونا چاہیے کہ یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے معجزات نہیں تھے بلکہ اسباب تھے۔ اور اسباب اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے اسی قانون کی مطابق دیتے ہیں جو قانون اسباب کے حصول کے لیے متعین کر دیا یعنی جیسے آج ایجادات کی جاتی ہیں۔ جیسے آج کفار نے ٹیکنالوجی حاصل کی بلکل اسی طرح یہ سب اسباب سلیمان علیہ السلام کو بھی حاصل ہوئے جس میں بنیادی کردار جنات کا تھا۔ جنات کے پاس علم انسان سے کئی گنا بڑھ کر ہے لیکن چونکہ زمین پر خلیفہ انسان کو بنایا گیا اس لیے جنات زمین پر کوئی بھی کام انسان کی اجازت اور اس کی مدد کے بغیر نہیں کر سکتے۔ یعنی جنوں کے پاس علم تو ہے لیکن اس علم کو عمل میں لا کر کچھ بنانے کی صلاحیت نہیں ہے انہیں اپنے علم کو عمل میں لانے کے لیے کوئی ایسا ذریعہ چاہیے جس ذریعے سے وہ مادے میں مداخلت کر سکیں اور وہ ذریعہ ان کے لیے صرف اور صرف انسان ہی بن سکتا ہے کیونکہ زمین کا اختیار اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انسان کو دیا ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو جب یہ سب اسباب دیئے تو ان کا جواب یہ تھا۔

وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ  
وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِىْ عِبَادِكَ



## الصَّالِحِينَ. النمل ۱۹

اور کہا اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمتوں کا استعمال اس مقصد کے لیے کروں جس مقصد کے لیے تو نے عطا کیں جو نعمتیں کیں مجھ پر اور میرے والد پر اور کہ میں کام کروں اصلاح کرنے والے جن کے ذریعے سے تو راضی ہو جائے اور داخل کر مجھے اپنی رحمہ کے ساتھ اپنے غلاموں میں جو اصلاح کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے رب میں تیری ان نعمتوں سے اصلاح کرنے والے کام کروں اور مجھے اپنی رحمہ کے ساتھ داخل کران میں جو تیرے غلام ہیں اصلاح کرنے والے۔ اصلاح اس میں کی جاتی ہے جس میں فساد یعنی خرابی یا تبدیلی وغیرہ ہو۔

صالحین اور صالح ان دونوں الفاظ کا مادہ ”صل“ ہے جس کے معنی ہیں ہر شے کو جو اس کا مقام ہے ہر لحاظ سے اس کے مقام پر ہی رکھنا۔ اور اس کی ضد ”فسد“ ہے جس کے معنی ہیں کہ کسی شے کو اس کے مقام سے ہٹا دینا تبدیلی کر دینا خواہ وہ کسی بھی صورت میں ہو، اس میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کرنے سے بھی وہ شے اپنے مقام سے ہٹ جائے گی یعنی اس کا معیار برقرار نہیں رہے گا جس سے وہ خراب اور پھر تباہ ہو جائے گی۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ہر شے سے ذالقرنین سلیمان علیہ السلام کو اسباب دینا ہی اس بات کی دلیل کافی ہے کہ اس وقت زمین پر ہر شے میں فساد کیا جا چکا تھا، اللہ کی مخلوقات کو ان کے مقامات سے یا تو ہٹا دیا جا چکا تھا یا پھر ان میں تبدیلیاں کی جا چکی تھیں اور کی جا رہی تھیں۔ پوری روئے زمین پر فساد ہو چکا تھا اور اگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس فساد کو نہ روکتے تو قیامت کب کی آچکی ہوتی لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انسان کے لیے زمین پر جتنی مدت مقرر کر دی اس مدت کو پورا کرنے کے لیے اس وقت زمین کو فساد سے پاک کرنا ضروری تھا۔ جس کے لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو زمین پر خلیفہ بنایا اور پھر ان کے وارث کے طور پر ذالقرنین سلیمان علیہ السلام کو خلیفہ بنایا۔ پھر ذالقرنین سلیمان علیہ السلام نے اللہ کے دیئے ہوئے ہر شے سے اسباب کو صرف اور صرف اسی مقصد کے لیے استعمال کیا جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے وہ اسباب دیئے۔

اب غور کریں زمین پر اللہ کا خلیفہ جس کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کتنی طاقت دی ہوئی تھی وہ اگر خود کسی کے پیچھے جائے گا تو وہ کون



ہوسکتا ہے؟ یہ بات تو طے ہے کہ جب خلیفہ کا کام زمین پر اللہ کے دین کا قیام ہے زمین میں اصلاح کرنا ہے تو پھر ظاہر ہے اصلاح کی غرض سے فساد کرنے والوں کا پیچھا کر رہے تھے ان کو انجام تک پہنچانے کے لیے۔ لیکن جب اللہ سبحان و تعالیٰ نے اتنی قوت دی ہوئی تھی تو پھر وہ کسی چھوٹے موٹے دشمن کے پیچھے نہیں جائیں گے ایسے دشمنوں کے لیے تو ان کی افواج ہی کافی ہوں گی البتہ وہ اگر کسی کی تلاش میں تھے تو وہ اس بڑے مفسد یا مفسدین کی تلاش میں تھے جو اس وقت زمین میں فساد کی جڑ تھے۔ جس جڑ کو کاٹے بغیر فساد کو روکنا ممکن نہ تھا اور نہ ہی فائدہ مند۔ کیونکہ اگر جڑ کو نہ کاٹا جائے اور اوپر سے درخت کاٹ دیا جائے تو درخت پھر نکل آتا ہے پھر وہ ایسے نکلتا ہے کہ پہلے سے زیادہ پھیل جاتا ہے۔ پہلے اس کا ایک تنا ہوتا ہے لیکن کاٹنے کے بعد بڑھنے سے اس کے کئی تنے نکل آتے ہیں۔

یہ مشن تھا ذوالقرنین سلیمان علیہ السلام کا جس کے لیے ان کے پاس جیسے ہی اللہ سبحان و تعالیٰ کے دیئے ہوئے اسباب کے ذریعے خبر آئی تو اس کی اتباع یعنی ان اسباب کی اتباع میں نکلے۔ یوں ذوالقرنین سلیمان علیہ السلام نے تین سفر کیے اور تین رکاوٹیں بنائیں جن میں یا جوج اور ماجوج کو قید کر دیا۔ الحمد للہ ان کی تفصیل پیچھے صراحت کیساتھ گزر چکی ہے۔

یہ مجموعی طور پر ذوالقرنین سلیمان علیہ السلام نے تین رکاوٹیں بنائیں جن سے یا جوج اور ماجوج کو قید کر دیا۔ یہ تین سدیں بنیادی طور پر دو قسم کی سدیں ہیں۔ ایک مادی جو لوہے اور تانبے کی تھی اور دوسری دو غیر مادی جو کہ نحاس کی تھیں۔ قرب قیامت یا جوج اور ماجوج بھی تب ہی ظاہر ہونے تھے جب یہ سدیں ٹوٹ جائیں گی۔ ان میں پہلے غیر مادی سدیں ٹوٹیں گی جن سے جنات شیاطین جو کہ یا جوج ہیں وہ آزاد ہوں گے اور ان کا آزاد ہونا ہی تیسری مادی سد کا ریزہ ریزہ ہونا ہے۔ یعنی کہ تیسری مادی سد کو عملاً توڑنے کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ وہ سد اس دور کا تقاضہ تھا۔ اس وقت ایک بہت بڑی قوم کو قتل و قید کرنے سے بہتر سزا یہی تھی۔ کیونکہ اس کے علاوہ کسی اور طریقے سے ان کو سزا دینا مشکل تھا۔ اس لیے کہ سو فیصد انسان مفسد نہیں ہوتے اور نہ تھے اگر قتل و قید کیا جاتا تو بہت سے بے گناہ بھی اس کی زد میں آ جاتے اس لیے جب فتنے و فساد کی جڑ ہی کاٹ دی گئی تو پھر سب سے بہتر یہی طریقہ تھا کہ ان دونوں قوموں کے درمیان ایک ایسی رکاوٹ کھڑی کر دی جاتی جس سے ماجوج اس قوم تک رسائی نہ پاسکتے اور پھر بالآخر ایک وقت آتا جب وہ اس وجہ سے آپس کے اختلافات کا شکار ہو کر خود ہی ایک دوسرے کے لیے عذاب بن جاتے اور یقیناً ایسا ہی ہوا ہوگا۔ کیونکہ جب چوروں کا کوئی گروہ چوری کرتا ہے تو سب ہی کسی پلان پر متفق نہیں ہوتے۔ جب تک کامیابی سے چوری ہوتی رہتی ہے تب تک ان میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوتا لیکن جوں ہی پکڑے جاتے ہیں تو ایک دوسرے کے خلاف زہرا لگنا شروع کر دیتے ہیں اختلافات کا شکار ہو جاتے

ہیں۔ کوئی کہتا ہے میں نے یوں مشورہ دیا تھا اگر ویسا کیا جاتا تو آج اس مصیبت کا شکار نہ ہوتے اور کوئی کچھ اور کہہ کر اس انجام کا ملبہ دوسروں پر ڈالتا ہے یوں بالآخر وہ ایک دوسرے کی ہی جڑیں کاٹ کر خود کمزور ہو کر ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اگر کوئی یہ سمجھتا ہو کہ ذالقرنین علیہ السلام نے جو مادی سد بنائی تھی وہی ٹوٹے گی تو ایسا نظریہ رکھنے والا شخص اسی انتظار میں رہے گا کہ تباہی آجائے گی اور سوائے گھائے کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

رہی اس قوم کی بات کہ انہوں نے یہ کیوں کہا کہ اے ذالقرنین یا جوج اور ماجوج فساد کرتے ہیں۔ تو اس کا جواب تو قرآن نے پہلے ہی دے دیا۔ کہ وہ قوم تو کچھ سمجھنے کے قابل ہی نہیں تھی تو پھر وہ اتنی آسانی سے ایسے الفاظ کیسے ادا کر سکتے ہیں۔ اور سب سے پہلا سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس قوم کو کیسے پتا چل گیا کہ ان کا نام ذالقرنین ہے جب کہ وہ کسی کی بات سمجھنے سے ہی قاصر تھے تو پہلے ہی انہیں یہ کیسے علم ہو گیا کہ وہ ذالقرنین ہیں۔

البتہ قرآن اس کا جواب یوں دیتا ہے کہ تاریخ میں کوئی ایسی شخصیت گزری ہی نہیں جو ذالقرنین کے لقب سے مشہور تھی۔ ذالقرنین تو صفت ہے اس شخصیت کی جو اللہ سبحان و تعالیٰ نے قرآن میں بیان کی۔ ذالقرنین لفظ صرف قرآن میں بیان کیا گیا ورنہ اس وقت تو ان کا نام سلیمان تھا۔ اس لیے اس قوم نے یہ نہیں کہا تھا کہ اے ذالقرنین بلکہ جو وہ واقعہ پیش آیا اللہ سبحان و تعالیٰ اپنے الفاظ میں جو کہ علم و حکمت سے بھرپور ہیں اس واقعے کو بیان کر رہے ہیں۔

پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قوم کو کیسے پتا چلا کہ فساد کرنے والی دو قومیں ہیں ایک کا نام یا جوج اور دوسری کا نام ماجوج؟ کبھی بھی تاریخ میں ایسا نہیں ہوا کہ کوئی قوم یا جوج اور ماجوج کے نام سے مشہور ہوئی ہو۔ اس قوم نے تو جیسے کیسے بھی سلیمان علیہ السلام کو بات سمجھائی وہ یہی تھی کہ ایک قوم ہے جو ادھر سے آتی ہے اور فساد کرتی ہے۔ لیکن قرآن یہ بتا رہا ہے کہ وہ دراصل ایک قوم نہیں وہ دو قومیں تھیں ایک قوم تو وہ ہے جنہیں انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں مگر دوسری قوم جو کہ بنیاد کا کردار ادا کرتی ہے اسے انسان دیکھ ہی نہیں سکتے اور وہ جنات میں سے مفسدین ہیں۔

یا جوج اور ماجوج کے الفاظ تو اللہ سبحان و تعالیٰ نے قرآن میں بیان کیے اس لیے بیان کیے۔ حقیقی دنیا میں تو کبھی بھی کوئی ایسی قوم نہیں گزری جس کو دنیا والے یا جوج اور ماجوج کہہ کر پکارتے ہوں یا یا جوج اور ماجوج کہہ کر پکاریں گے۔ یعنی حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے جنوں اور انسانوں میں جو زمین میں فساد کرتے ہیں ان کو ایک الگ صفاتی نام دیا ان کی صفات کو مد نظر رکھتے ہوئے۔ یا جوج اور ماجوج آدم علیہ السلام کی خلق سے لیکر قیامت تک وہ تمام کے تمام جنات اور انسان ہیں جو زمین میں فساد کرتے ہیں۔ خواہ وہ کسی بھی نام سے پکارے جاتے ہوں۔ دنیا انہیں کسی بھی نام سے پکارے مومن جو کہ ہوتا ہی

صاحب بصیرت ہے ایسوں کو یا جوج اور ماجوج کہہ کر ہی پکارتا ہے یعنی کہ مفسدین لیکن مومن کے برعکس مشرک، کافر و منافق تو نہ صرف انہیں سمجھتے ہیں صالحین بلکہ صالحین کے طور پر ہی انہیں پیش بھی کرتے ہیں۔

جیسے تمام عالمین کے خالق کو لفظ اللہ سے پکارا جاتا ہے مگر اس کی صفات بھی ہیں جن سے صرف وہی پکارتے ہیں جو اللہ کی ان صفات سے آگاہ ہوتے ہیں علم رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اس لیے ہمیں کبھی بھی یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے دنیا میں جو بھی واقعات پیش آئے ہوں ضروری نہیں کہ انہیں انہی الفاظ کے ساتھ بیان کیا جائے جو اس وقت دنیا میں استعمال ہوتے تھے یا ہوتے ہیں بلکہ اللہ سبحان و تعالیٰ اپنی طرف سے الفاظ کا استعمال کر کے واقعات کو بیان کرتے ہیں یا جو کچھ بھی قرآن میں ہے وہ سب کے سب الفاظ اللہ کی طرف سے اور انتہائی گہرائیوں اور وسعتوں والے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ قرآن کے معجزات ہیں۔ قرآن میں اللہ سبحان و تعالیٰ جب بھی کوئی واقعہ بیان کرتے ہیں تو عین واقعہ بیان نہیں کیا جاتا بلکہ اس کی مثل بیان کی جاتی ہے۔ کیونکہ پورا واقعہ اگر بیان کیا جائے تو اس کے لیے ہزاروں صفات درکار ہوں گے لیکن اگر آپ اس واقعے کو چند ہی الفاظ میں بیان کرنا چاہیں تو اس کے لیے آپ کو ایسے الفاظ استعمال کرنا ہوں گے جو اس پورے واقعے کا احاطہ کر سکیں۔

اس لیے یہ ان کے الفاظ نہیں تھے کہ اے ذالقرنین اس میں کچھ شک نہیں کہ یا جوج اور ماجوج فساد کرتے ہیں زمین میں۔ بلکہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے بتایا کہ ان کی پریشانی یہ تھی۔ جو قوم آ کر فساد کرتی تھی وہ تو انسان تھے جو کہ ماجوج تھے اور جو اس قوم کے پیچھے اس فساد کی بنیادی جڑ تھے وہ مفسد جنات شیاطین تھے۔ اس لیے قرآن نے یہاں دونوں کا ذکر کیا۔ ذالقرنین سلیمان علیہ السلام تو وہاں پہنچے ہی اسی غرض سے تھے کہ پہلے وہ یا جوج اور ماجوج کے بنیادی کرداروں کو انجام سے دوچار کر چکے تھے اب جو علاقائی سطح پر کوئی خامی تھی جو چھوٹے پیمانے پر یا جوج اور ماجوج تھے ان کا قلع قمع کرنا مقصود تھا۔

ذالقرنین علیہ السلام کے واقعہ پر ہم نے بہت تفصیل سے بات کی اور ہمیں ایک بات کا جان لینا بہت ضروری ہے وہ یہ کہ ہم جانتے ہیں تاریخ میں کئی اقوام تباہ ہوئیں۔ بڑے بڑے واقعات رونما ہوئے لیکن قرآن میں ان سب کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ صرف انہیں واقعات کا ذکر کیا گیا ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے لیکر قیامت تک رہنمائی ہے اور پھر دوسری بات کہ قرآن میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے ان واقعات کو بھی ایسے الفاظ کا استعمال کر کے بیان کیا جو گزشتہ اور آنے والے تمام واقعات کا احاطہ کرتے ہیں۔ اس لیے یہ ذہن میں ہونا بہت ضروری ہے کہ ایسا ہرگز نہیں کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے قرآن میں جو بھی

واقعہ بیان کیا اس کا صرف یہی مقصد ہے کہ ماضی میں کچھ ہوا تو صرف اس سے آگاہ کیا جانا مقصود ہو۔ بلخصوص ذالقرنین علیہ السلام کے واقعے کو جس طرح بیان کیا جاتا ہے یا اسے جن شخصیات پر منطبق کیا جاتا ہے اس سے نہ تو کچھ حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ نے اگر یہ واقعہ بیان کیا تو اس میں ضرور علم و حکمہ اور بہت سے راز پوشیدہ ہیں۔

جیسے ہم جب اس واقعے میں غور کریں تو پورے واقعے میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے ایک مقام پر سدا لفظ کا استعمال کیا ہے جس کے معنی دور کا وٹیں اور دوسرے پر سدا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی ایک رکاوٹ۔ یوں یہ مجموعی طور پر تین رکاوٹیں بنتی ہیں۔ حالانکہ جب وہ قوم یہ کہتی ہے کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان سد کر دیں تو جواب میں ذالقرنین علیہ السلام کے حوالے سے قرآن سدا کی بجائے ردما کا لفظ بیان کرتا ہے اس لیے کہ اگر ردما کی بجائے لفظ سدا استعمال ہوتا تو یہ چار سداں ہو جاتیں لیکن قرآن چونکہ ہر لحاظ سے علم و حکمت سے بھرپور ہے تو اللہ سبحان و تعالیٰ نے ایسے ہی الفاظ استعمال کیے جن سے سداوں کی تعداد وہی ہو جتنی بنائیں ذالقرنین سلیمان علیہ السلام نے۔

بلکل اسی طرح لفظ ذالقرنین بھی تین بار آیا ہے جس سے مراد دنیا میں مجموعی طور پر تین ذالقرنین ہیں۔ جن میں ایک کی وضاحت قرآن نے سلیمان علیہ السلام کے طور پر کر دی۔ اور جب ہم تفصیل میں جائیں تو پتا چلتا ہے سلیمان علیہ السلام کے علاوہ دو ذالقرنین مزید ہیں ان میں ایک محمد رسول اللہ ﷺ اور دوسرے عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام وہ ذالقرنین ہوں گے جن کی حکومت بھی پوری دنیا پر قائم ہوگی خواہ وہ بہت تھوڑے عرصے تک کے لیے ہوگی۔ اور ذالقرنین عیسیٰ علیہ السلام بھی ویسے ہی دنیا پر اپنی حکومت قائم کریں گے جیسے سلیمان علیہ السلام نے کی یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اللہ سبحان و تعالیٰ ایسے اسباب دیں گے جس کے لیے عیسیٰ علیہ السلام بڑے بڑے سائنسدانوں کو اغوا و قید کریں گے اور ان سے کام لیں گے اور اسی طرح تیار شدہ ٹیکنالوجی بھی ان کے ہاتھ آئے گی جسے دنیا کے کفار کے خلاف استعمال کریں گے۔

پہلے ذالقرنین سلیمان علیہ السلام نے نہ صرف یا جوج اور ماجوج سے دنیا کو محفوظ کیا بلکہ اس وقت دجال یعنی ٹیکنالوجی سے دنیا کو صاف کر دیا۔ بلکہ دجال کو خلق کرنے کا علم رکھنے والے مفسد شریر جنات کی شکل میں دجال کو قید کر دیا۔

دوسرے ذالقرنین محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جن کے وقت یا جوج اور ماجوج کھل گئے اور ان کے رستے میں بند باندھنے اور دجال کا مقابلہ کرنے کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ نے دنیا کی عملی طور پر راہنمائی کر دی کہ کیسے ان کے فتنوں سے محفوظ رہا جاسکتا ہے جب تک دنیا محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے دی گئی اللہ کی ہدایات کو محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق



تھامے رہے گی تو وہ یا جوج اور ماجوج اور دجال سے محفوظ رہے گی اور جب ترک کرے گی تو ان فتنوں کا شکار ہو جائے گی۔  
 پھر آخر میں آخری اور تیسرے ذالقرنین عیسیٰ علیہ السلام آکر یا جوج اور ماجوج کے خاتمے اور دجال کے قتل کا سبب بنیں گے  
 اور زمین کو فساد سے پاک کر دیں گے لیکن ان کے بعد دنیا پھر اللہ کے ساتھ اسی طرح شریک بنانا شروع کر دے گی جیسے پہلے  
 تھا۔ یعنی پھر سے ٹیکنالوجی عام ہو جائے گی۔

محمد رسول اللہ ﷺ اور عیسیٰ علیہ السلام کس طرح ذالقرنین ہیں اس کا جواب ان شاء اللہ آگے آئے گا جب ہم اس سوال پر  
 بات کریں گے کہ ذالقرنین لفظ کے معنی کیا ہیں۔

## ذالقرنین علیہ السلام کی بنائی ہوئی مادی سد کا ٹوٹنا

آج جو مشہور کر دیا گیا کہ ذالقرنین علیہ السلام نے دو پہاڑوں یعنی چٹانوں کے درمیان جو سد بنائی تھی اسی سد کے ٹوٹنے کا ذکر ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ الٹا اس کے برعکس قرآن اس کی بڑی شدت کیساتھ نفی کرتا ہے۔  
مادی سد بنانے کے بعد ذالقرنین سلیمان علیہ السلام نے جو الفاظ بیان کیے قرآن میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے انہیں ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا . الکہف ۹۹

پس جب آجائے گا وعدہ میرے رب کا کر دے گا اسے دکاء اور تھا میرے رب کا وعدہ حق

یہی لفظ سورۃ الحاقہ میں بھی اللہ سبحان و تعالیٰ نے بیان کیا ہے۔

وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً . الحاقہ ۱۴

اور جو زمین نے اٹھایا ہوا ہے اور پہاڑ پس ریزہ ریزہ ہو جائیں گے ایک ہی بار میں ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے۔

یہ ہے اللہ کا وہ وعدہ جب پہاڑ ریزہ ریزہ کیے جائیں گے جن میں ذالقرنین سلیمان علیہ السلام کی بنائی ہوئی پہاڑ نما سد بھی ریزہ ریزہ ہوگی اور اس وعدے کو قرآن میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس کی مختلف مثالیں بیان کیں ہیں جن میں ایک الحاقہ بھی ہے۔

## الْحَاقَّةُ. الحاقہ ۱

الحاقہ۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اس وعدے کا ایک نام الحاقہ ہے۔

**حاق.** ہر طرف سے گھیر لینا، چھا جانا، آب و ہوا، ماحول، ہر شے پر اثر انداز ہو کر ان میں خامیاں، خرابیاں پیدا کرنا، ہر شے کا خراب ہو جانا، ماحول کا آلودہ ہو جانا، بڑے بڑے غیر معمولی کام،

**حاق** سے ہی **الحاقہ** بنا ہے اس کا تعلق دنیا سے ہے اس لیے اسی ضمن میں اس کے معنی بیان کیے جائیں گے، جس کے معنی درج ذیل ہیں۔

دنیا پر جنہیں اختیار دیا گیا ان کے اپنے ہاتھوں سے کیے ہوئے بڑے بڑے غیر معمولی کاموں، کرتوتوں کی وجہ سے دنیا کی ہر شے میں ایسے خرابیاں ہو جانا کہ ہر شے تباہی کے دہانے پر پہنچ کر ہر طرف سے تباہیاں، مصیبتیں، تکلیفیں وغیرہ آگھیریں، ان اعمال کی وجہ سے ہر شے فساد زدہ ہو جائے جس کی وجہ سے اس کے نقصانات ایسے ظاہر ہوں جیسے اندھیرا چھا جاتا ہے۔ آب و ہوا کا زہر آلود ہو جانا، بادلوں کا نظام خراب ہو جانا جس کی وجہ سے بادل تباہی کی شکل میں کبھی نہ کبھی دنیا کو اپنے گھیرے میں لیے رہیں، سمندروں کا نظام اس طرح بگڑ جانا کہ وہ بھی تکالیف و پریشانیوں اور مصائب کا سبب بن جائیں۔ یعنی مختصر ترین معنی یہ ہیں کہ دنیا کی ہر شے کا فساد زدہ ہو کر اس فساد کی وجہ سے آنے والی تباہیاں دنیا والوں کو ہر طرف سے گھیر لیں۔ اندھیرے کی طرح چھا جائیں۔

## مَا الْحَاقَّةُ. الحاقہ ۲

کیا ہے الحاقہ۔ اب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کہہ رہے ہیں کہ کیا ہے الحاقہ کیا تمہیں اس کا علم ہے کہ یہ کیا ہے۔

## وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحَاقَّةُ. الحاقہ ۳

اور نہیں ادراک تمہیں کیا ہے الحاقہ۔ یعنی اگر تمہیں یہ ادراک ہو کہ الحاقہ کیا ہے تو تم ایسے کر توت کرو ہی نہ جن وجوہات کی بنا پر الحاقہ نے آنا ہے۔ اور اگلی آیت میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے بالکل کھول کر بتا دیا کہ الحاقہ کیا ہے۔

## كَذَّبَتْ ثَمُودُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ. الحاقہ ۴

تکذیب کی تھی قوم عاد اور قوم ثمود نے قارعہ سے۔

قارعہ تباہ کن عالمی جنگ کو کہا گیا ہے ایسی تباہ کن جنگ کہ جو چند دنوں کے اندر اندر پہاڑوں کو بھی ریزہ ریزہ کر دے لا تعداد مخلوقات کا صفحہ ہستی سے صفایا کر دے۔

جو کچھ آج کیا جا رہا ہے یعنی جیسے آج خام تیل پر قبضے کی خاطر پوری دنیا کی قوموں میں کش مکش جاری ہے، درپردہ جنگیں جاری ہیں بلکل اسی طرح قوم عاد اور قوم ثمود نے بھی کیا اور بالآخر ان کا انجام تباہ کن عالمی جنگوں کی صورت میں نکلا اور وہ صفحہ ہستی سے مٹ گئے۔ اس کی ابتدا یہیں سے ہوئی کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے بار بار آگاہ کیا کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے ہر شے حق کیساتھ خلق کی ہوئی ہے ان میں چھیڑ چھاڑ نہ کرو فساد نہ کرو لیکن انہوں نے تکذیب کی اللہ کے غیب پر دسترس پا کر ترقی اور خوشحالی کے نام پر اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے رہے۔ آہستہ آہستہ ان اشیاء یعنی جنہیں ہم قدرتی وسائل کہتے ہیں کے حصول کے لالچ میں اس حد تک پہنچ گئے کہ صفحہ ہستی سے مٹ گئے۔

اللہ کی دعوت کو جھٹلایا تھا اللہ نے جن کاموں سے منع کیا تھا اللہ نے زمین پر فساد کرنے سے منع کیا تھا اللہ نے اپنی آیات میں مخلوقات میں چھیڑ چھاڑ کرنے سے منع کیا تھا قوم عاد اور قوم ثمود کو لیکن انہوں نے تکذیب کر دی انہوں نے وہ سب کیا جس سے انہیں منع کیا گیا اور وہ سب نہ کیا جس کا حکم دیا تھا تو انہیں اس فساد کے نتیجے میں تباہی القارعہ نے آلیا۔ القارعہ کیا ہے اس کی وضاحت اللہ سبحان و تعالیٰ نے سورۃ القارعہ میں بیان کر دی۔

یہ ہے اللہ کا وہ وعدہ جب ذالقرنین سلیمان علیہ السلام کی بنائی ہوئی وہ پہاڑ نما سدر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی وہ الحاقہ ہے اور الحاقہ کا ہی ایک تباہ کن مرحلہ القارعہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ وعدہ کب آئے گا۔ اس کا جواب بھی سورۃ الحاقہ میں ہی ہے۔



وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً. الحاقہ ۱۴

اور جو زمین نے اٹھایا ہوا ہے اور پہاڑ پس سب ریزہ ریزہ ہو جائیں گے ایک ہی بار میں ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے۔

اس آیت میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کب ہوگا اور اگلی ہی آیت میں اللہ سبحان و تعالیٰ اس کا جواب دے دیتے ہیں

فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ. الحاقہ ۱۵

پس اس یوم واقع ہوگا ایک واقعہ

یعنی یہ اس وقت ہوگا جب ایک واقعہ واقع ہوگا اور وہ واقعہ کب واقع ہوگا اس کا جواب بھی اللہ سبحان و تعالیٰ نے اگلی آیت میں دے دیا

وَأُنشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ. الحاقہ ۱۶

اور جب آسمان پھٹ کر اس میں سوراخ ہو جائے گا پس اسی یوم یہ واقعہ ہوگا۔

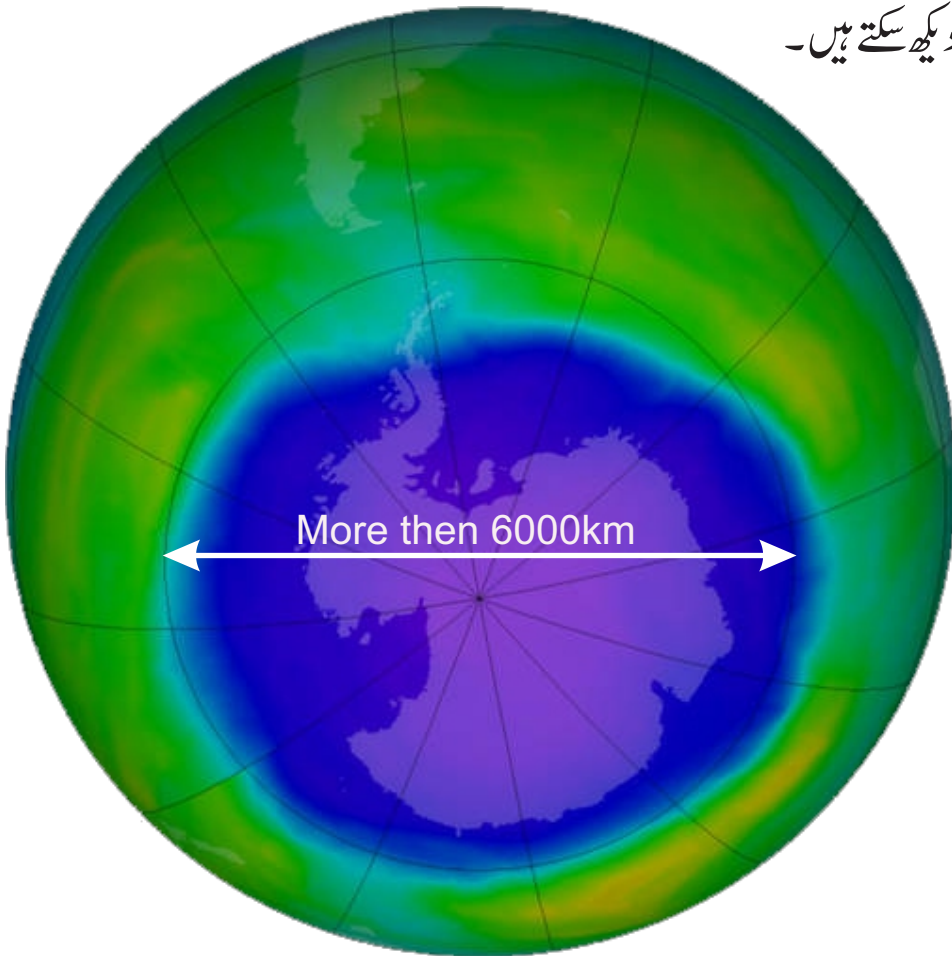
اس آیت میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے یہ واقعہ کب واقع ہوگا اس کی بہت بڑی اور غیر معمولی نشانی بیان کر دی اور وہ نشانی یہ ہے کہ یہ واقعہ اس وقت رونما ہوگا جب آسمان پھٹ جائے گا یعنی آسمان میں سوراخ ہو جائے گا۔

آسمان میں سوراخ کیسے ہوگا اس کو بھی ذہن میں رکھنا لازم ہے۔ قرآن کے شروع میں ہے کہ الحمد للہ یعنی اللہ کے لیے ہے ہی حمد، اور حمد اس میں ہوتی ہے جو ہر لحاظ سے کسی بھی نقص و خامی وغیرہ سے پاک ہو۔ جس میں کوئی بھی نقص، کمی، خامی و خرابی وغیرہ ہو اس میں حمد نہیں ہوتی اور جس میں حمد نہیں ہوتی جس وجہ سے حمد نہیں ہوتی اس کی ذمہ داری اللہ پر نہیں بلکہ اس پر عائد ہوتی ہے جو اس کے کاموں میں شریک بنے۔ تو آسمان کا پھٹنا ایک بہت بڑا نقص، خرابی کی وجہ سے ہوگا اور اللہ سبحان ہے یعنی اللہ اس سے پاک ہے کہ وہ کوئی ایسا کام کرے جس سے کسی بھی شے میں کوئی خامی و خرابی واقع ہو۔ اس لیے آسمان کے پھٹنے کا ذمہ دار وہی ہوگا جو اس کا شریک بنے گا یا بنائے گا۔ کائنات میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے صرف دو ہی مخلوقات کو مرضی کا اختیار دیا ہے۔ جنات اور انسان اور ان دونوں میں سے دنیا کا اختیار انسان کو دیا گیا اس لیے اگر آسمان پھٹے گا تو صرف جنات اور انسانوں کے اعمال ہی کی وجہ سے پھٹے گا یہی دو مخلوقات ذمہ دار ہوں گی۔ جنات کو صرف مرضی کا اختیار دیا گیا کہ وہ

چاہیں تو اللہ کے احکامات مانیں یا چاہیں تو انکار کر دیں یہ ان پر منحصر ہے کہ وہ کیا کرتے ہیں، جنات کائنات میں اللہ اور انسان کی مرضی کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتے اس لیے انسان کے اعمال ہی کی وجہ سے آسمان پھٹے گا۔

آج جب ہم غور و فکر کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ کی بیان کردہ یہ انتہائی غیر معمولی نشانی پوری ہو چکی ہے آسمان پھٹ چکا ہے الحاقہ نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے یعنی ہر طرف سے اللہ کی آیات آرہی ہیں جو کہ زلزلوں، طوفانوں، سیلابوں، بیماریوں اور طرح طرح کی بیماریوں کی صورت میں ظاہر ہو رہی ہیں۔ انسانوں کے کرتوتوں کی وجہ سے ماحول، آب و ہوا، ہر آلودہ ہو چکی ہے بادلوں کا نظام سمندروں کا نظام حتیٰ کے زمین کی ہر مخلوق میں خرابیاں ہو چکی ہیں اور تباہی سے دوچار ہو رہی ہیں جن سے ہونے والی تباہیاں و نقصانات نے انسانوں کو ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے۔ یہی ہے الحاقہ۔ اور اس کا ایک بڑا مرحلہ القارعہ کہلاتا ہے جسے ہم تباہ کن اٹمی جنگ کا نام بھی دیتے ہیں۔ ان شاء اللہ القارعہ کی تفصیل آگے اپنے موضوع پر آئے گی۔ لیکن یہاں صرف مختصر یہ بتا دیتے ہیں کہ القارعہ قرآن نے تباہ کن ہتھیاروں کے استعمال والی جنگ کو کہا ہے۔ جو کہ الحاقہ کا تباہ کن مرحلہ ہے۔

الحاقہ کی نشانی آسمان کا پھٹنا یعنی اس میں سوراخ کا ہونا تھا۔ جو آج سے کئی برس پہلے ہو چکا۔ جیسا کہ آپ درج ذیل تصاویر میں دیکھ سکتے ہیں۔



یہ تصویر ۲۰۱۴ کی ہے۔ ۲۰۱۴ میں آسمان میں سوراخ کا سائز ۲ کروڑ ۴۱ لاکھ مربع کلومیٹر تھا اور اب یہ سوراخ اس سے بھی بڑا ہو چکا ہے۔

اُوزون لیئر زمین کے دوسرے آسمان یعنی زمین کے گرد جو سات تہوں کا حفاظتی حصار اللہ سبحان و تعالیٰ نے قائم کیا ہوا ہے اس میں دوسری تہ ہے۔ یہ وہ آسمان ہے جس کے پھٹنے کا اللہ سبحان و تعالیٰ نے قرآن میں ذکر کیا جو کہ ایک غیر معمولی اور عظیم خبر تھی جو ساڑھے چودہ سو سال پہلے ہی اللہ سبحان و تعالیٰ نے قرآن میں بیان کر دی۔ اس آسمان کے پھٹنے کی وجہ ان گیسوں کا اخراج ہے جو آج تقریباً ہر انسان خارج کر رہا ہے یعنی گھروں میں استعمال ہونے والے فریج، فریزر، مائکرو ویو سے خارج ہونے والی گیسیں، گاڑیوں، کارخانوں وغیرہ سے خارج ہونے والا دھواں اور ان تمام اشیاء کے جلانے سے پیدا ہونے والا دھواں جو غیر فطری ہیں یعنی قدرتی لکڑی اور گوبر وغیرہ کے علاوہ آج کو کچھ بھی جلایا جا رہا ہے خواہ وہ تیل ہو، پلاسٹک ہو، ٹائر ہوں یا کچھ بھی ہو ان سب کے دھوئیں کی وجہ سے آج آسمان پھٹ چکا اور اس کے ذمہ دار آج دنیا کے انسانوں کی اکثریت ہے جو کہ ماجوج ہیں۔

یہ آسمان سوچ سے خارج ہونے والی ان لہروں کو زمین پر آنے سے روکتا ہے جو انتہائی گرم اور زمین پر حیات کے لیے خطرناک ہیں۔ اس کے پھٹ جانے سے دن بدن زمین پر درجہ حرارت بڑھتا جا رہا ہے جس سے نہ صرف زمین پر تمام کی تمام حیات متاثر ہو رہی ہے بلکہ گلیشئر پگھل رہے ہیں اور موسموں میں تباہ کن تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ گلیشئرز کے پگھلنے سے سمندروں کی سطح بلند ہو رہی ہے اور خشکی کناروں سے کم ہوتی چلی جا رہی ہے اسی کا قرآن میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے ذکر بھی کیا۔

**أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا. الرعد ۴۱**

**کیا نہیں دیکھ رہے کہ ہم لا رہے ہیں زمین کو اس کے اطراف سے کم کرتے ہوئے۔**

آیت بہت گہری ہے اس کا ایک پہلو یہ ہے جو بیان کیا جا رہا ہے باقی اس کا ذکر الگ موقع پر کیا جائے گا۔ یعنی نہ صرف گلیشئرز کے پگھلنے سے سمندروں کی سطح بڑھ رہی ہے جس سے خشکی کم ہو رہی ہے بلکہ زمین کے گرد گیسوں کی تہیں بھی سکڑتی چلی جا رہی ہیں اور قرآن میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے یہ واضح کر دیا کہ یہ سب کچھ انسانوں کے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے ہوئے کرتوتوں کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

آسمان کے پھٹنے سے بادلوں کا نظام درہم برہم ہو چکا ہے اور اگر یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو زمین کو اسی طرح کے طوفان کا سامنا کرنا پڑے گا جو قوم نوح پر آیا۔ یہ ہیں اس آسمان کے پھٹنے کے نقصانات کی انتہائی مختصر تفصیل۔

حیران کن بات یہ ہے کہ جب آسمان پھٹا یعنی آسمان میں یہ سوراخ ہوا اس کے فوراً بعد بڑی بڑی تباہیوں نے دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور دن بدن یہ تباہیاں بڑھ ہی رہی ہیں اور آج ان تباہیوں، مصیبتوں، زلزلوں، طوفانوں، آندھیوں، سیلابوں کی طرح ایک بہت بڑی غیر معمولی تباہی ہمارے سر پر آچکی ہے اور ہم بالکل غافل ہیں یعنی ایسی آخری ایٹمی تباہ کن جنگ جس میں پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں گے لیکن یہ ذہن میں ہونا لازم ہے اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ زمین پر تمام پہاڑ اس سے ریزہ ریزہ ہوں گے بلکہ جو پہاڑ اس کی زد میں آئیں گے ان کا ذکر ہے اور اس کا مقصد یہ ہے تاکہ اس کی شدید تباہی کا ادراک ہو سکے۔ یہی وہ وعدہ تھا جس میں ذالقرنین سلیمان علیہ السلام کی بنائی ہوئی مادی سد کوریزہ ریزہ ہونا ہے اور یہ یاجوج اور ماجوج کے کھلنے اور ان کی ہی کرتوتوں کی وجہ سے ہوگا اور آج یہ سب ہو چکا یاجوج اور ماجوج کو کھلے ہوئے صدیاں گزر گئیں۔ اللہ کا وعدہ سر پر آ گیا جو کہ اب صرف سالوں اور مہینوں کی دوری پر ہے نہ کہ دہائیوں یا محض ایک ہی دہائی کی دوری پر لیکن ہم آج بھی اس دیوار میں سوراخ اور یاجوج اور ماجوج کے کھلنے کے انتظار میں ہیں۔

الحاقہ کے بارے میں مزید جاننے کے لیے آپ انٹرنیٹ سے دنیا میں آنے والے زلزلوں، سیلابوں، طوفانوں، جنگوں، طرح طرح کی بیماریوں، حادثات و مصائب وغیرہ کی تفصیلات کا مشاہدہ کر کے بخوبی ادراک کر سکتے ہیں کہ یہ سب کب سے شروع ہوا اور آج دنیا میں کوئی ایک دن بھی ایسا نہیں گزرتا کہ جس میں دنیا میں کسی نہ کسی مقام پر زلزلے نہ آرہے ہوں، تباہیاں نہ آرہی ہوں، بیماریاں و مصائب نہ بڑھ رہے ہوں۔



## لفظ ذا القرنین کے معنی

ذا القرنین . دو قرن والا

قرن کے معنی ہیں۔ زمانہ، صدی، ایک ہی شے کے دو ظہور ہونا یعنی کسی شے کا دو مقامات پر ظاہر ہونا۔ یہ خصوصیت جانداروں کے سینگ میں پائی جاتی ہے جو جسم کا واحد عضو ہوتا ہے جس کا پہلے وجود نہیں ہوتا لیکن بعد میں سینگ کا دو مقامات سے ظہور ہوتا ہے جس وجہ سے عربی میں قرن سینگ کو بھی کہتے ہیں لیکن یہ ذہن میں رہے کہ سینگ کو عربی میں قرن کہنے کی وجہ کیا ہے اگر یہی خصوصیت کسی بھی اور شے میں پائی جائے گی تو وہ بھی قرن کہلائے گی۔  
قرن کے یہ تین بنیادی اور غالب ترین معنی ہیں۔

یہی لفظ قرآن میں درج ذیل مقامات پر آیا ہے اور تمام مقامات پر اس کے معنی زمانے کے ہیں۔  
الانعام ۶۔ مریم ۷۴، ۹۸۔ المومنون ۳۱۔ ص ۳۔ فصلت ۲۵۔ ق ۳۶۔

قرآن میں تمام مقامات پر لفظ قرن صرف ایک ہی معنی کے طور پر آیا ہے اور وہ زمانے کے معنی میں آیا ہے اس لیے ہم قرن کو سب سے پہلے اسی معنی کے طور پر لیں گے۔ اور جب ہم لفظ قرآن میں غور کریں تو لفظ قرآن بھی قرن سے ہی بنا ہے۔  
ایک زمانہ یا صدی ہو تو قرن اور تمام کی تمام صدیاں یا زمانے ہوں تو انہیں قرآن کہا جاتا ہے۔ جیسے قرآن سے ہی مثال لے لیں۔

هُوَ الْخَلْقُ .

اسی نے سب کو خلق کیا۔

خلق۔ ایک خلق

خلاق۔ تمام کی تمام خلق۔ خلاق کو اس طرح بھی لکھا جاتا ہے جیسے اوپر آیت میں لکھا گیا ہے، الف کی بجائے لام پر کھڑی زبر ڈال دی جائے تو وہ الف کی آواز دے گی۔ خلق۔

بلکل اسی طرح قرن ایک زمانہ یا ایک صدی اور قرآن تمام کی تمام صدیاں یا زمانے۔

یہ قرآن کے ایک معنی ہیں اس کے علاوہ لفظ قرآن کے معنی بہت وسیع ہیں لیکن ہمارا یہ موضوع نہیں اس لیے ہم قرآن کے مزید معنوں پر بات نہیں کریں گے۔

### سلیمان علیہ السلام کے ذالقرنین ہونے کی پہلی وجہ

جب ہم سلیمان علیہ السلام کو دیکھیں تو سلیمان علیہ السلام کی عمر تقریباً ایک سو پچاس سال تھی۔ یعنی سلیمان علیہ السلام نے دو صدیاں دیکھی تھیں یوں وہ دو صدیوں والے یعنی ذالقرنین کہلا سکتے ہیں۔

### سلیمان علیہ السلام کے ذالقرنین ہونے کی دوسری وجہ

ہم آج جس زمانے میں موجود ہیں اس میں غور کریں تو یہ بہت تیز رفتار زمانہ ہے۔ ٹیکنالوجی یعنی دجال کا زمانہ ہے جو کام آج ایک دن میں کیا جاسکتا ہے وہی کام آج سے کچھ صدیاں پیچھے چلے جائیں تو سالوں میں یا اس سے بھی زائد عرصے میں ہوتا تھا۔ یعنی یہ کہ پہلے اور آج کے یہ دونوں زمانے یکسر مختلف ہیں۔ جو انسان آج جس زمانے میں ہم ہیں وہ اس زمانے میں نہیں آسکتا اور ہم پیچھے اس زمانے میں نہیں جاسکتے۔ یعنی کہ اگر پہلے زمانے کا انسان جو کام آج ہم ایک دن میں کرتے ہیں اس کے لیے ناممکن تھا یوں وہ صرف اپنی ہی زمانے میں رہ سکتا ہے اور ہم آج کے موجودہ زمانے میں ہم پیچھے نہیں جاسکتے یعنی ہم اپنی زندگی پہلے زمانے کی طرح نہیں گزار سکتے۔

سلیمان علیہ السلام کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جو اسباب دیئے ہوئے تھے جسے آج ہم ٹیکنالوجی کا نام دیتے ہیں سلیمان علیہ السلام اس سے مہینوں سالوں کا کام گھنٹوں میں کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے یعنی سلیمان علیہ السلام اس وقت آج کے ہمارے جیسے تیز رفتار زمانے میں بھی موجود تھے جیسے آج ہم تیز رفتاری کے زمانے میں موجود ہیں سلیمان علیہ السلام بھی اسی تیز رفتاری میں موجود تھے اور وہ صرف اس حد تک جہاں زمین میں اصلاح مقصود ہوتی تھی ان کاموں میں اس کے علاوہ سلیمان علیہ السلام کی اپنی ذاتی زندگی فطرت پر جسے ہم پتھر کا زمانہ کہتے ہیں کے مطابق گزری۔ یوں سلیمان علیہ السلام بیک وقت تیز رفتار

اور پتھر کے دونوں زمانوں میں موجود تھے۔ اور سلیمان علیہ السلام اس وجہ سے بھی ذالقرنین کہلا سکتے ہیں۔

## سلیمان علیہ السلام کے ذالقرنین ہونے کی تیسری وجہ

### ☆ محمد رسول اللہ ﷺ بھی ذالقرنین تھے

سلیمان علیہ السلام کو اللہ سبحان و تعالیٰ نے جو اسباب دیئے ہوئے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا جس سے ملکہ سبا کا تخت لایا گیا۔ اس ٹیکنالوجی کو آج اگر کوئی نام دیا جائے تو وہ ٹائم مشین ہے۔ ایسی صلاحیت کہ جس سے مادے کو نور اور نور کو مادے میں تبدیل کیا جاسکے۔ مادہ جب نور میں تبدیل ہو جاتا ہے تو وہ ٹائم مشین ہے۔ جسے ہم ٹائم مشین کا نام دے رہے ہیں احادیث میں اسے براق اور دیر بھی کہا گیا جس پر رسول اللہ ﷺ نے معراج کیا۔ براق کسی سواری کا نام نہیں بلکہ براق برق سے ہے برق بجلی یعنی انرجی کو کہتے ہیں۔ براق ایسی ٹیکنالوجی یا ایسی شے کا نام ہے جو مادے کو نور میں تبدیل کر دے اور نور کو مادے۔ اگر کوئی شے جو مادے سے بنی ہے وہ نور میں تبدیل ہو جائے تو وہ وقت کی قید سے آزاد ہو جاتی ہے اس پر وقت کا اطلاق نہیں ہوتا وہ بیک وقت ماضی، مستقبل یا حال میں کہیں بھی موجود ہو سکتی ہے۔

مثلاً اگر آپ کے پاس یہ صلاحیت آجائے تو آپ بیک وقت دو مقامات پر موجود ہو سکیں گے ایک جو دنیا میں آپ کا مادی جسم ہے اس کے ساتھ اور دوسری جو آپ کی حقیقت ہے آپ اس کیساتھ ہر لمحے ماضی، حال یا مستقبل کہیں بھی موجود ہو سکتے ہیں یعنی آپ بیک وقت دو زمانوں میں موجود ہو سکتے ہیں۔

یہی صلاحیت اللہ سبحان و تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی دی ہوئی تھی جس سے محمد رسول اللہ ﷺ ماضی اور مستقبل میں جو ہوا اسے اس طرح دیکھ کر بتا رہے ہوتے تھے جیسے کہ وہ آپ کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔ لیکن اس میں ایک بات جو ذہن میں رکھنا لازمی ہے وہ یہ کہ اس سے انسان کا صرف ایک وجود جو کہ دنیا میں مادی وجود ہوتا ہے اسے تو حاجات لاحق ہوتی ہیں لیکن دوسرا وجود ان حاجات سے پاک ہوتا ہے اور جنت میں ایسے ہی وجود ہوں گے اہل جنت کے اور دوزخ والے اس وجود سے تب تک محروم رہیں گے جب تک کہ وہ جنت میں داخل نہ کر دیئے جائیں۔

سلیمان علیہ السلام کو اللہ سبحان و تعالیٰ نے یہ نعمت عطا کی ہوئی تھی جس سے سلیمان علیہ السلام بیک وقت دو مقامات پر موجود ہونے کی صلاحیت رکھتے تھے یعنی بیک وقت دو زمانوں میں اسی طرح موجود ہو سکتے تھے جیسے سینک کے بیک وقت دو مقامات پر الگ الگ وجود ہوتے ہیں۔ اس لیے سلیمان علیہ السلام ذالقرنین تھے اور محمد رسول اللہ ﷺ بھی ذالقرنین

تھے۔

محمد رسول اللہ ﷺ بھی ذالقرنین تھے اس کی تصدیق یہ روایات بھی کرتی ہیں۔

قال رسول الله ﷺ: بعثني الله ليلة أسرى بي إلى يأجوج و مأجوج ،

فدعوتهم إلى دين الله وعبادته، فأبوا أن يجيئوني، فهم في النار مع

من عصى من ولد آدم و ولد ابليس. (نعيم بن حماد، ابن مردويه، الدر المنثور)

رسول اللہ ﷺ نے کہا: بعث کیا مجھے اللہ سبحان و تعالیٰ نے اسری کی رات یا جوج اور ما جوج کی طرف پس میں نے انہیں دعوت دی اللہ کے دین کی طرف اور اسی کی غلامی کی طرف، پس انہوں نے انکار کر دیا کہ وہ میری دعوت قبول کرتے، پس وہ آگ میں ہیں ان کیساتھ جنہوں نے نافرمانی کی آدم کے اولاد سے اور ابلیس کی اولاد سے۔

اس روایت کو سامنے رکھیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یا جوج اور ما جوج قرب قیامت میں ہی کھلنے تھے تو محمد رسول اللہ ﷺ کسی طرح مبعوث کیے گئے یا جوج اور ما جوج کی طرف ان کو اللہ کے دین اور اللہ کی غلامی کی دعوت دینے کے لیے۔ اس کا جواب تو محمد رسول اللہ ﷺ نے اسی موقع پر دے دیا۔ یہ اسری کی رات کا موقع ہے۔ جیسا کہ پیچھے کہا تھا کہ اگر انسان کہ پاس یہ ٹیکنا لوجی ہو، انسان کو اللہ کی طرف سے یہ اختیار حاصل ہو جائے تو وہ بیک وقت دو مقامات پر موجود رہ سکتا ہے۔ اس کا جسم تو وقت کی قید میں ہوگا جس وجہ سے وہ ایک عام بشر کی طرح ہوگا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی حقیقت جیسے ہم خواب دیکھتے ہیں اس طرح حقیقت میں ماضی حال اور مستقبل ہر جگہ موجود ہوگا۔ ایسا اس وجہ سے کہ اس کی حقیقت وقت کی قید سے آزاد ہوگی۔ جب تک انسان وقت کی قید میں ہوتا ہے تو اس کے لیے ماضی، حال اور مستقبل کا وجود ہوتا ہے لیکن جب انسان وقت کی قید سے آزاد ہو جائے تو اس کے لیے ماضی، حال اور مستقبل وغیرہ کا وجود ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے سب ایک ہی نقطے کی مانند ہوتا ہے۔ بہر حال یہ بات سمجھنا بہت ہی مشکل ہے اس کو سمجھنے سے پہلے اس سے متعلقہ معاملات کو جب تک نہ سمجھا جائے تب تک اسے سمجھنا انسان کے بس سے باہر ہوگا اور سب سے احسن طریقہ اسے سمجھنے کا یہی ہے کہ انسان اللہ سبحان و تعالیٰ کا رنگ اختیار کرے۔



محمد رسول اللہ ﷺ نے اسریٰ کی رات جو سفر کیا اس کی مختصر حقیقت یہ ہے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو وقت کی قید سے باہر نکالا لیکن اس مادی جسم کیساتھ نہیں جو اس وقت دنیا میں موجود تھا۔ اور محمد رسول اللہ ﷺ نے کائنات کے آغاز سے لیکر اس کے انجام، جنت دوزخ اور اس سے بھی آگے تک دیکھا۔ بالکل ایسے ہی کہ جیسے آج بھی محمد رسول اللہ ﷺ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے وہ دیکھ رہے ہیں آج ان کا موجود ہونا ان کے لیے ماضی، حال اور مستقبل سے ماورا ہے اس وقت میں موجود ہیں لیکن اس جسم کے ساتھ نہیں جس جسم کے ساتھ دنیا میں مبعوث کیے گئے تھے۔ یہ بات انتہا درجے کی گہری ہے اتنی آسانی سے سمجھ میں آنے والی نہیں اس لیے میں نے کوشش کی کہ بالکل مختصر سے مختصر موضوع کے مطابق اس پر بات کروں نہ کہ اس کی تفصیل میں جاؤں اور میرا ہر ایک کے لیے یہی مشورہ ہوگا کہ وہ اگر اس معاملے کے بارے میں بات کرے گا تو گویا کہ وہ ایک سال کی عمر میں وہ کام کرنے جا رہا ہے جو چالیس سال سے کم عمر میں نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے اس پر زیادہ توجہ دینے سے بہتر ہے آج جو کچھ اس سے پہلے فرض ہے ان فرائض کو سمجھ کر انہیں پورا کیا جائے۔ اس لیے اگر کوئی اس بات کو لیکر بغیر علم کے بات کرے گا یا کوئی فتویٰ بازی کرے گا تو میں اس کے اس فعل سے بری ہوں۔

اس کے لیے اقبال کے ان دو چھوٹے سے مصروں پر اکتفاء کروں گا

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں  
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

سلیمان علیہ السلام کے ذالقرنین ہونے کی چوتھی وجہ

ابن شہاب رضی اللہ عنہ قال: انما سمی ذالقرنین أنه بلغ قرن

الشمس من مغربها ، وقرن الشمس من مطلعها. ابن عبد الحكم، الدر المنثور

ابن شہاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جو صفت ہے ذالقرنین یعنی دو قرن والا وہ اس وجہ سے ہے کہ وہ پہنچا مغرب میں جہاں سورج کا بیک وقت دو مقامات پر ظہور ہوتا ہے اور سورج کے طلوع ہونے کی جگہ جہاں بیک وقت سورج کا دو مقامات پر ظہور ہوتا ہے۔

جہاں سورج غروب ہوتا نظر آتا ہے وہیں وہ ایک دوسری قوم پر طلوع ہو رہا ہوتا ہے اور اسی طرح جہاں وہ طلوع ہوتا نظر آتا ہے وہیں وہ ایک دوسری قوم پر غروب ہو رہا ہوتا ہے اس لیے سورج کا مقام طلوع اور غروب قرنین کہلاتے ہیں۔ اس روایت میں یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ سورج کے دو قرن ہیں ایک جہاں وہ غروب ہوتا ہے اور دوسرا جہاں طلوع ہوتا ہے اور جسے ذالقرنین یعنی دو قرن والا کہا گیا وہ اسی وجہ سے کہا گیا کہ وہ سورج کے غروب ہونے والے قرن اور طلوع ہونے والے قرن تک پہنچا تھا یعنی خشکی کے ایک سے دوسرے سرے تک پہنچا تھا۔ اگر اس وجہ سے ذالقرنین کہا گیا تو اس کی تصدیق تو قرآن کی آیات بھی کر رہی ہیں جو اس شخصیت نے یہ دونوں سفر کیے اور قرآن یہ بتاتا ہے کہ ایسے اسباب تو صرف سلیمان علیہ السلام کو ہی دیئے تھے اس لیے اس روایت کی بنیاد پر تو بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ذالقرنین سلیمان علیہ السلام ہی ہیں اور اسی وجہ سے سلیمان علیہ السلام کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن میں ذالقرنین کہا۔ یعنی دو قرن والا۔ جب ہم قرآن سے رجوع کریں تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ سلیمان علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ غَدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ . سبا ۱۲

اور سلیمان کے لیے ہوا صبح کا سفر اس کا ایک مہینے کا اور شام کا سفر اس کا ایک مہینے کا

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے یہ صبح اور شام کے اتنے تیز رفتار سفر کیوں کیے؟ یعنی جو سفر آج ہم ایک مہینے میں طے کرتے ہیں سلیمان علیہ السلام وہی سفر تقریباً دو گھنٹے میں کر لیتے تھے۔ پھر جب اسی آیت کا اگلا حصہ دیکھیں

وَ أَسْلَمْنَا لَهُ عَيْنَ الْقَطْرِ

اور جاری کر دیا ہم نے اس کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ

سلیمان علیہ السلام کے صبح اور شام کے سفر کے ساتھ ہی تانبے کا چشمہ بہانے کا ذکر قرآن کیوں کر رہا ہے؟ نہ صرف قرآن سوال اٹھاتا ہے بلکہ اس کا جواب بھی دیتا ہے۔ اور اگر ہم آیت کے مزید اگلے حصے اور اگلی آیات کو دیکھیں

وَمِنَ الْجِنَّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ

اور جنوں سے جو کام کرتے تھے درمیان اس کی قوت کے اس کے رب کے حکم سے

یعنی علم جنات کا، جنات اپنا علم بذریعہ انسان کی قوت کے عمل میں لاتے تھے تو کیا بنتا تھا قرآن آگے اس کا بھی ذکر کر رہا ہے۔

يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَّحَارِبٍ وَ تَمَاطِيلٍ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُورٍ

رُسَيْتٍ . سبا ۱۳

کام کرتے تھے اس کے لیے جو اس کا قانون تھا جنگی ساز و سامان سے بناتے تھے اور تماثیل یعنی جو کچھ بھی پہلے بن چکا تھا جو پہلی تباہ شدہ یا موجودہ قوموں نے بنایا ہوا تھا اسی کی مثلیں بناتے تھے یعنی اسی طرح کا دوبارہ بنا کر دیتے تھے اور دھاتوں کو پگھلانے لے لیے کٹھالیاں جیسے کہ تالاب ہوتے ہیں بڑے بڑے اور کنڈے لگے ایسے برتن جن میں پگھلا ہوا لوہا، تانبہ یعنی پگھلی ہوئی دھاتیں اٹھا کر انڈیلی جا سکیں پہاڑوں جیسی چوٹیاں بنانے کے لیے۔

اب جب ہم ان ساری آیات کو سامنے رکھیں تو صبح اور شام کے تیز رفتار سفر کا جواب قرآن سورۃ الکہف میں دیتا ہے ذالقرنین کا مغرب و مشرق کا سفر۔

پھر جو پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ جاری کیا وہ کس مقصد کے لیے تھا قرآن اس کا جواب بھی سورۃ الکہف میں اسی واقعے میں دیتا ہے کہ یا جوج اور ماجوج کو روکنے کے لیے جو سدیں بنائی گئیں وہاں استعمال کرنے کے لیے تانبے کا چشمہ بہایا گیا۔ اور تانبہ زمین سے نکالا کیسے گیا، پگھلایا کیسے گیا حتیٰ کہ جو بھی کام کیے جاتے تھے اس کے پیچھے علم جنات کا اور قوت انسان کی ہوتی تھی جس سے کام ہوتے تھے۔

پھر بڑے بڑے تالابوں کی مانند لوہے اور تانبے وغیرہ کو پگھلانے والے جو برتن بنائے گئے انہیں اٹھا کر انڈیلنے کے لیے جو بڑے بڑے برتن بنائے گئے وہ کس مقصد کے لیے تھے قرآن اس کا جواب بھی اسی واقعے میں سد کی تعمیر کا ذکر کر کے دیتا ہے۔

پھر بڑی بڑی بلند و بانگ پہاڑوں جیسی چوٹیوں میں سے بنانے کی ضرورت کہاں پیش آئی تو وہی تیسرے سفر میں جو چٹانوں کے درمیان بلند و بانگ پہاڑوں جیسی چوٹی بنا کر درہ بند کیا۔ حتیٰ کہ قرآن ایک ایک سوال کا جواب بہت ہی تفصیل سے دے رہا ہے۔

اس لیے حدیث کی بنیاد پر بھی سلیمان علیہ السلام ہی ذالقرنین تھے۔ سلیمان علیہ السلام ہی تھے جو سورج کے مغرب اور مشرق والے قرنین تک پہنچے۔



## عیسیٰ علیہ السلام کیسے ذالقرنین ہیں

اس میں سب سے پہلی بات یہ ہے قرآن میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے ذالقرنین علیہ السلام کا جو واقعہ بیان کیا اس میں تین بار لفظ ذالقرنین کا ذکر کیا جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ ذالقرنین ایک نہیں تین ہیں۔ ایک سلیمان علیہ السلام جن کا تعلق جس واقعے اور وقت سے تھا وہ ماضی کا حصہ بن چکا۔ دوسرے ذالقرنین محمد رسول اللہ ﷺ اور تیسرے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے دجال کی پہچان اور اس سے بچاؤ کے لیے سورۃ الکہف کی تلاوت کا حکم دیا۔ سورۃ الکہف میں دجال کا بہت ہی صراحت کیساتھ ذکر ہے جو پیچھے تفصیلات گزریں۔ دجال کا قتل باب لد کے ساتھ ابن مریم نے کرنا ہے۔ یوں عیسیٰ علیہ السلام بھی ذالقرنین ہیں اور یہ تیسرے ذالقرنین عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام دجال کو باب لد کے ساتھ قتل کریں گے۔ لد کہتے ہیں کسی شے کے بارے میں کوئی حقیقت کو تسلیم نہ کر رہا ہو اگر کوئی کسی سے اس شے کی حقیقت بیان کرے تو وہ آگے سے طرح طرح کے دلائل دے اور بات کو تسلیم نہ کرے ایسی صورت میں کسی کا اس شے کے بارے میں ایسے دلائل دے کر اس کی حقیقت واضح کر دینا کی کوئی بھی ان دلائل کا نہ رد پیش کر سکے نہ انکار کر سکے اس شے کے بارے میں حق بالکل کھل کر واضح ہو جائے۔ اس کے بعد کسی کے لیے بھی اس شے کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہ رہے۔

باب کہتے ہیں داخل اور خارج ہونے کے مقام کو۔ باب کے معنی کسی مادی دروازے کے نہیں ہیں بلکہ اس کے معنی ہر طرح کے داخل ہونے اور خارج ہونے کے مقام کے ہیں۔ مثال کے طور پر کسی کے دماغ میں کچھ داخل کرنا ہو تو اس کا کوئی ایسا نقطہ یا ایسی کمزوری یا خوبی جس کے ذریعے اس کے دماغ میں بات داخل کی جاسکے یا پہلے سے موجود نکالی جاسکے وہ باب کہلاتا ہے۔

جیسے قرآن میں بھی بار بار آیا ہے ”اولی الباب“

عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام دجال کا قتل باب لد کیساتھ کریں گے یعنی وہ دجال کا جو دوسرا رخ جو کہ دنیا سے پوشیدہ ہے اس کو دنیا کے سامنے اس طرح واضح کریں گے کہ دجال کا قتل ہو جائے گا۔ یعنی وہ اس ٹیکنالوجی کو جسے آج پوری دنیا سمجھتی ہے دلائل

کیساتھ اس کا منفی پہلو اس طرح دنیا کے سامنے لائیں گے کہ دنیا کے ہر انسان پر ٹیکنالوجی کی حقیقت واضح ہو جائے گی کہ یہ مسیحا نہیں بلکہ دنیا کو، دنیا میں سب کچھ تباہ کر رہا ہے یوں ٹیکنالوجی کی حقیقت ساری دنیا پر عیاں ہو جائے گی۔ ٹیکنالوجی پر پڑا ہوا دجل کا پردہ چاک ہو جائے گا یہی دجال کا قتل ہوگا۔ دنیا کے ہر انسان پر واضح ہو جائے گا کہ ٹیکنالوجی فائدہ مند نہیں بلکہ انتہائی نقصان دہ ہے۔ پہلے ہم اس کے دجل کا شکار تھے جو اسے بہت فائدہ مند اور ترقی وغیرہ سمجھتے تھے، آسانیاں، سہولتوں کا نام دیتے تھے۔

قرب قیامت آنے والے عیسیٰ ابن مریم کی حقیقت کیا ہے اس کی مزید تفصیلات آگے باب عیسیٰ ابن مریم میں آئیں گی۔

## برمیودہ مثلث

بحر اوقیانوس میں ایک فرضی مثلث نما سمندری علاقے کو برمیودہ ٹرائی اینگل کہا جاتا ہے۔ اس فرضی مثلث نما سمندری علاقے کا ایک کونا برمیودہ دوسرا میامی فلوریڈا اور تیسرا سان خوان پوئیرتو ریکو سے ملتا ہے یوں یہ ایک فرضی مثلث بن جاتی ہے۔ ان تینوں کونوں کے درمیان سمندری علاقے کو برمیودہ ٹرائی اینگل یعنی برمیودہ مثلث کہا جاتا ہے۔ یہ علاقہ دنیا بھر میں عجیب و غریب قصے کہانیوں اور حادثات کی وجہ سے نہ صرف مشہور ہے بلکہ محو حیرت بھی ہے اور آج تک کوئی بھی اس علاقے کے بارے میں صحیح معلومات فراہم نہیں کر سکا سوائے مختلف مفروضوں کے۔ اور موجودہ جدید ترین ٹیکنالوجی بھی اس علاقے کے سامنے بے بس دیکھائی دیتی ہے۔ اس علاقے کے حوالے سے بہت سے قصے کہانیاں مشہور ہیں لیکن ہمارا موضوع ایسے قصے کہانیوں کو بیان کرنا نہیں ہے بلکہ صرف اس علاقے پر مختصر بات کرنا ہے تاکہ اس علاقے کی وضاحت ہو سکے۔



برمودہ مثلث ایک ایسے سمندری علاقے میں موجود ہے جہاں اس کے دونوں طرف گرم سمندر موجود ہے جسے انگلش میں گلف سٹریم کہا جاتا ہے۔ پوری دنیا کے سمندروں میں یہ واحد سمندر ایسا ہے جس میں گرم پانی پایا جاتا ہے اور اسی گرم پانی سے اس علاقے میں لاتعداد پانی کے قدرتی گرم چشمے پائے جاتے ہیں۔

برمودہ مثلث میں ہونے والے حادثات کی تفصیلات کو آپ انٹرنیٹ سے باآسانی حاصل کر سکتے ہیں اس لیے یہاں ہم ایسے کسی واقعے کا بھی ذکر نہیں کریں گے۔ برمودہ ٹرائی اینگل کے بارے میں تمام مصدقہ معلومات کو سامنے رکھا جائے تو قرآن میں سورت الکہف میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے اس علاقے کی صراحت کیساتھ وضاحت کر دی۔ ذالقرنین جو کہ سلیمان علیہ السلام تھے کو جب اللہ سبحان و تعالیٰ نے زمین پر تمکن دیا اور اسباب دیئے تو اس وقت زمین پر فتنے و فساد بالکل اسی طرح تھے جیسے کہ آج ہیں۔ یعنی جیسے آج دنیا ٹیکنالوجی کے نام پر فساد میں ڈوبی ہوئی ہے اس وقت بھی بالکل ایسا تھا۔ اس تمام فساد کی بنیادی وجہ کا بھی قرآن میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے ذکر کر دیا ہے کہ انسان کو زمین پر امتحان کے لیے بسایا گیا کہ آیا وہ اللہ کی غلامی کرتا ہے یا پھر اس کے ساتھ شریک کرتا ہے یعنی اپنی حدود کو تجاوز کرتے ہوئے زمین پر خود وہ کام کرتا ہے جو کام اللہ کے کرنے والے ہیں۔ اللہ کے کاموں میں مداخلت کرتا ہے۔ اس لیے انسان کو زمین پر نائب بنایا انسان کو زمین کا اختیار دیا۔ تو وہیں ایک دوسری مخلوق بھی اسی امتحان سے گزر رہی ہے جنہیں ہم جنات کہتے ہیں۔ لیکن جنات کو زمین پر اختیار نہیں دیا گیا مگر جنات میں سے جو شریر ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ جو کچھ زمین میں ہے وہ انسان کے لیے مزین کر دینا جس کیساتھ انسان اس امتحان میں ناکام ہو کر اللہ کا باغی ثابت ہو جائے گا۔ جنات کو زمین پر اختیار نہیں دیا گیا سوائے اس کے کہ وہ انسان کی طرف وسوسے کر سکیں۔ جنات کے پاس زمین کے انگ انگ کے بارے میں علم ہے اور وہ اپنے علم کو شیاطین انسانوں کی طرف وحی کرتے ہیں جنہیں ہم سائنسدان، انجینئر، فزیسٹ، کیمسٹ، ڈاکٹر وغیرہ سمیت مختلف نام دیتے ہیں۔ یہ لوگ شیاطین جنات کے مشن کو پایا تکمیل تک پہنچانے کے لیے اس کے علم کو عمل میں لا کر فتنے کھڑے کرتے ہیں اور پھر زمین فساد سے بھر جاتی ہے یوں زمین پر ہر مخلوق اس فساد کی وجہ سے تباہی سے دوچار ہوتی ہے ہر مخلوق کے حقوق پامال ہوتے ہیں۔ اس فساد کو مستقل روکنے کا ایک ہی ذریعہ تھا وہ یہ کہ اس فساد کی جڑ کو کاٹا جائے جس کے لیے ذالقرنین سلیمان علیہ السلام نے ان مفسد شیاطین جنات کو اس مقام پر قید کر دیا۔ شیاطین کو قید کرنے کے لیے ایک مقناطیسی قوت کا حصار قائم کیا گیا جسے نحاس کہتے ہیں جو لوہے اور تانبے کی دھاتوں کے کیمیائی عمل سے وضع ہوتی ہے۔ جنات اس مقناطیسی قوت یعنی نحاس سے نکلنے کی صلاحیت نہیں رکھتے جب تک کہ کوئی ایک عمل نہ کیا جائے کہ جس سے اس مقناطیسی قوت کے حصار میں کوئی سوراخ نہ کر لیا جائے۔

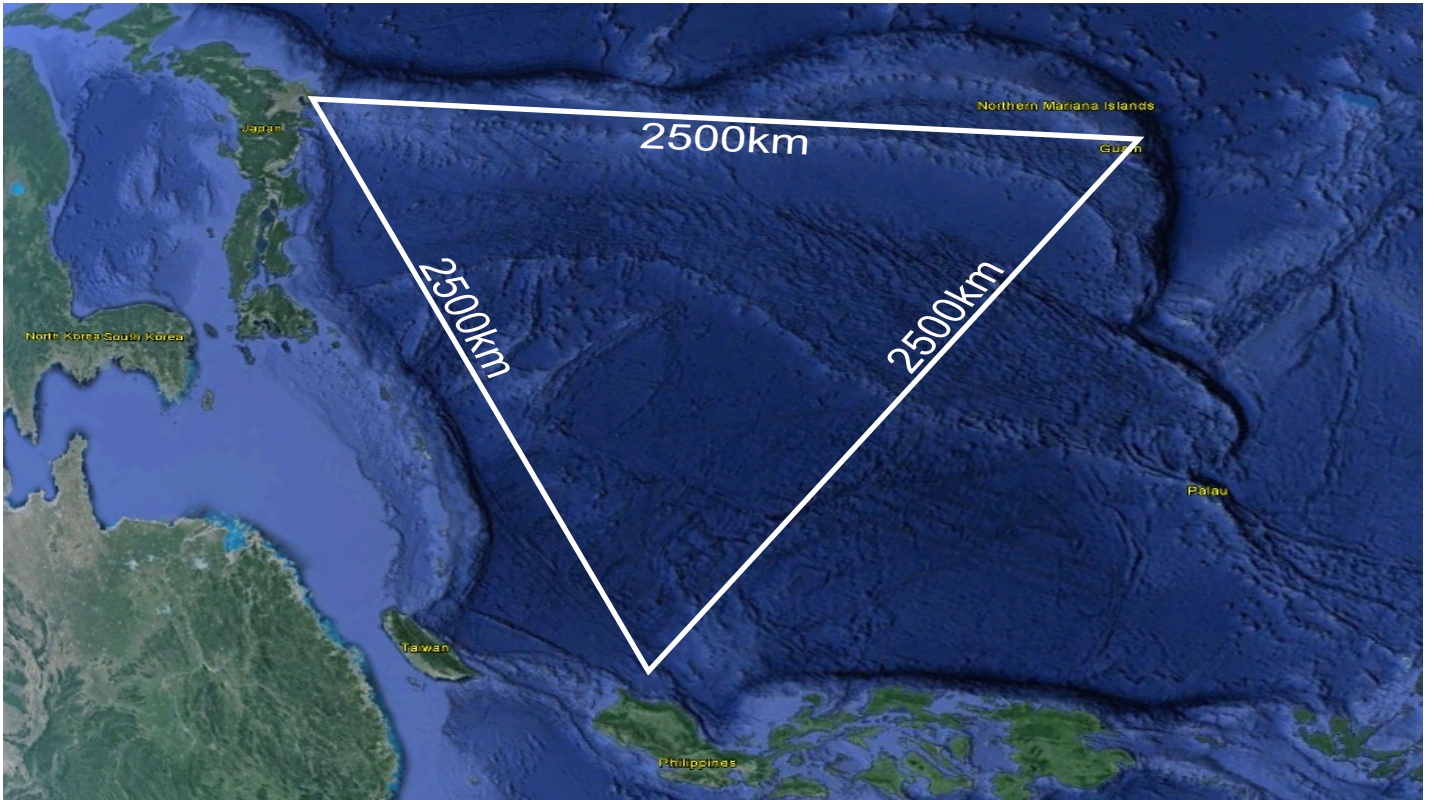


ذالقرنین سلیمان علیہ السلام کی اس مقناطیسی قوت یعنی نحاس کے قائم کئے گئے حصار کی وجہ سے ہی اس علاقے میں آنے والے کمپاس کی سوئی تھر تھرا نا شروع کر دیتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ زمین کی مقناطیسی قوت مشرق اور مغرب سے دباؤ پیدا کرتی ہے جس کی وجہ سے کمپاس کی سوئی کا رخ شمال اور جنوب کو ہو جاتا ہے لیکن برمیودہ مثلث میں ذالقرنین سلیمان علیہ السلام کی بچھائی ہوئی اس مقناطیسی قوت کا شمال اور جنوب زمین کی مقناطیسی قوت کے شمال اور جنوب سے برعکس ہے جس کی وجہ سے اس علاقے میں ان دونوں قوتوں کے درمیان کھینچا تانی رہتی ہے اور یوں کمپاس کی سوئی تھر تھرا نا شروع ہو جاتی ہے۔ گھڑیوں کا ٹائم تبدیل ہو جاتا ہے۔ کسی بھی مشین کا انجن کام کرنا چھوڑ دیتا ہے یا یوں سمجھ لیں کہ انجن تباہ بھی ہو سکتا ہے۔ زمین کی مقناطیسی قوت اور ذالقرنین سلیمان علیہ السلام کی بچھائی ہوئی قوت کے درمیان کھینچا تانی کی وجہ سے اس علاقے میں پانی میں طغیانی رہتی ہے اور موسموں میں بھی غیر معمولی تغیر و تبدل ہوتا ہے اسی وجہ سے وہاں جانے والے بحری جہاز ڈوب جاتے ہیں۔ دوسری وجہ وہ مقناطیسی قوت اس قائم حصار کے درمیان آنے والی کسی بھی شے کو اپنی طرف کھینچتی ہے یوں ایسی شے سمندر کی تہہ میں اتر جاتی ہے اور وہاں سے ہلتی بھی نہیں بلکہ ایک ہی مقام پر پڑی رہتی ہے جیسے کوئی شے مقناطیس کیساتھ جڑ جائے۔

اس کے علاوہ اگر کوئی شے کسی طریقے سے ان دونوں قوتوں کے عین محور میں داخل ہو جائے تو ایسی شے وقت کی قید سے آزاد ہو جاتی ہے اس پر وقت کا اطلاق نہیں ہوتا اگر انسان ہو تو وہ ماضی، حال اور مستقبل کو ایسے دیکھ سکتا ہے جیسے ہم خواب دیکھتے ہیں کہ خواب میں وہ سب حقیقت ہوتا ہے یعنی جاگتے ہوئے بالکل اسی طرح دیکھنا جیسے انسان خواب دیکھتا ہے انسان کو دو شعور کا حاصل ہو جانا۔

## ڈریگن ٹرائی اینگل یا شیطانی سمندر

ڈریگن ٹرائی اینگل یعنی اژدھا مثلث جسے شیطانی سمندر بھی کہا جاتا ہے یہ بھی بالکل برمودہ مثلث کی طرح ایک پراسرار سمندری خطہ ہے جو بحر الکاہل میں جاپان میں واقع ہے۔ جاپانی قوم اسے مانواومی کہتی ہے جس کے معنی شیطان کا سمندر ہیں۔ یہ سمندری مثلث برمودہ مثلث سے بھی کئی گنا زیادہ خطرناک ہے اور اس میں برمودہ مثلث کی نسبت کئی گنا زیادہ حادثات ہوئے ہیں لیکن برمودہ کی نسبت اسے کم لوگ جانتے ہیں۔



دوسری جنگ عظیم میں جاپان کے اس سمندر میں درجنوں ہوئی و بحری جہاز غائب ہو گئے۔ ۱۹۵۲ عیسوی تا ۱۹۵۴ عیسوی کے درمیان جاپان کے پانچ بڑے فوجی جہاز اس علاقے میں گم ہو گئے جن کا کوئی نام و نشان نہ ملا ان جہازوں میں سات سو سے زیادہ افراد بھی ان کے ساتھ ہی غائب ہو گئے۔ جاپانی حکومت نے اس خطے پر تحقیق کے

لیے ایک سو سے زائد انتہائی قابل سائنسدانوں کی ایک ٹیم تشکیل دیکر جدید ترین وسائل سے لیس کر کے بحری جہاز پر سوار کر کے روانہ کیا تا کہ اس خطے پر گہرائی سے تحقیق کی جاسکے لیکن شیطانی سمندر کا معممہ حل کرنے والے خود ہی معممہ بن گئے اور آج تک ان سائنسدانوں اور اس جہاز کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ اس واقعے کے بعد حکومت جاپان نے اس علاقے کو انتہائی خطرناک ترین علاقہ قرار دیکر اس تحقیق کو روک دیا اور آج تک اس پر بالکل بھی توجہ نہیں دی گئی۔

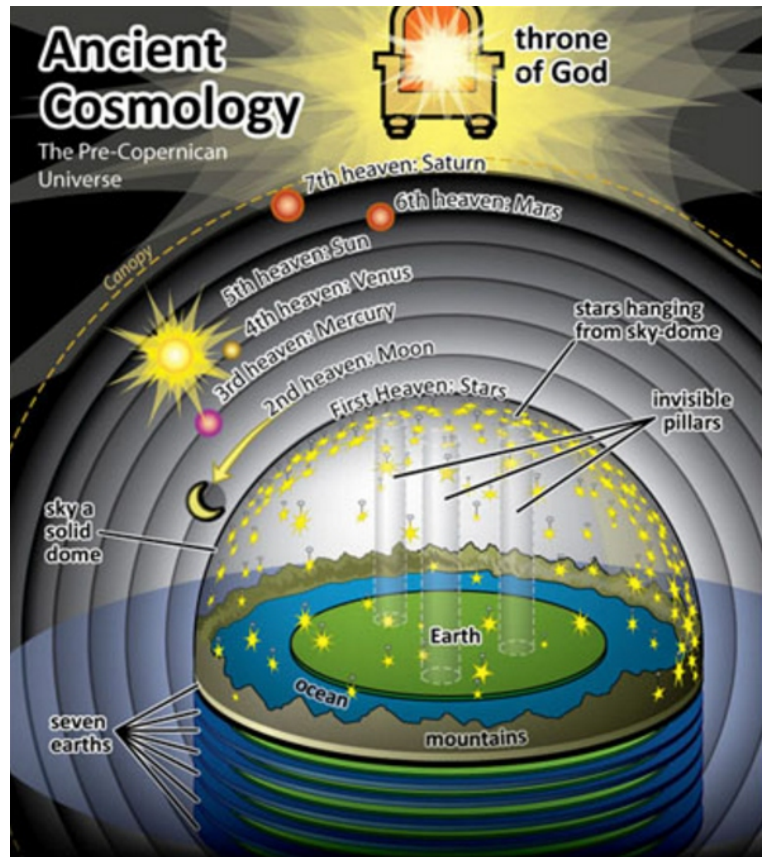
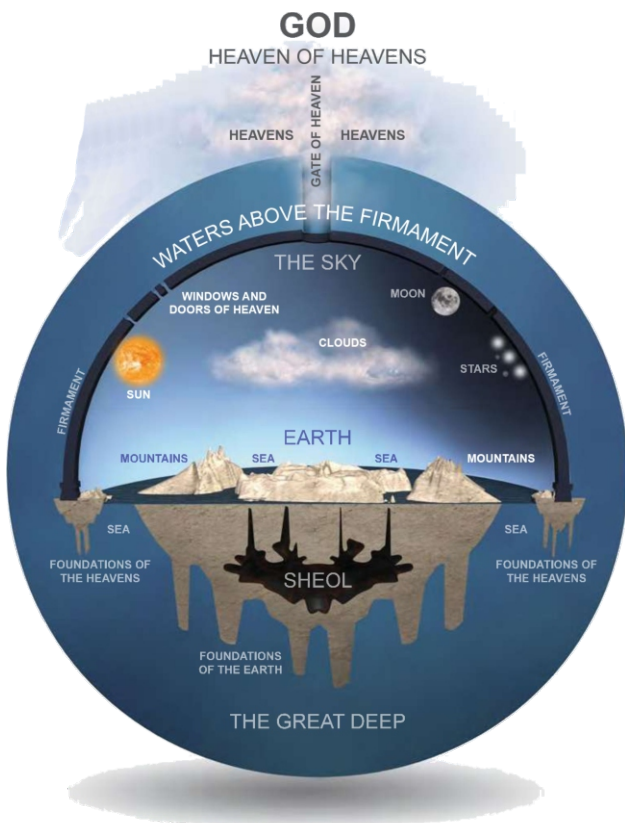
برمودہ مثلث کی طرح اس سمندر کے بارے میں بھی بہت سی کہانیاں مشہور ہیں جن کو آپ انٹرنیٹ پر با آسانی تلاش کر سکتے ہیں۔ اس علاقے اور اس سمندر کی تمام تر معلومات کو سامنے رکھا جائے تو اس میں رائی برابر بھی شک نہیں رہتا کہ یہاں بھی بالکل وہی قوت موجود ہے جو برمودہ مثلث میں موجود ہے۔ یہ ذالقرنین سلیمان علیہ السلام کو وہ مشرق کی طرف سفر تھا جس کے بارے میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے قرآن میں سورت الکہف میں کہا کہ یہاں بھی ذالقرنین سلیمان علیہ السلام نے وہی کیا جو مغرب کے سفر میں کیا تھا کہ شیاطین کے گرد نحاس کا حصار قائم کر دیا۔ نحاس یعنی اس مقناطیسی قوت کی وجہ سے یہاں بھی کمپاس کی سوئی تھر تھرا نہ شروع کر دیتی ہے۔ کوئی بھی مشین کام کرنا چھوڑ دیتی ہے وقت رک جاتا ہے اور یہ سب اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ اس مقام پر بھی دو مقناطیسی قوتیں موجود ہیں جن کی آپس میں کھینچا تانی رہتی ہے۔ ان میں ایک زمین کی اپنی مقناطیسی قوت اور دوسری ذالقرنین سلیمان علیہ السلام کی پھیلائی ہوئی مقناطیسی قوت۔



## سورج کا مغرب سے طلوع ہونا

### پہلا پہلو

میرا سب کچھ قربان ہو محمد رسول اللہ ﷺ پر جب مبعوث کیے گئے تو اس وقت پوری دنیا کے اکثر لوگوں کا سورج اور زمین کے حوالے سے ایک ہی نظریہ تھا اور وہ یہ کہ زمین روٹی کی طرح چپٹی ہے اس میں خشکی درمیان میں ہے اس کے گرد پانی اور پانی کے گرد زمین کے کناروں پر پہاڑوں کی باڑ ہے جن پر آسمان اس طرح ٹکا ہوا ہے جیسے کوئی گنبد ہوتا ہے بلکل اسی طرح پہاڑوں پر پڑا ہوا ہے یعنی زمین کے گرد پہاڑ وہ ستون ہیں جن پر آسمان کے کنارے ٹکے ہوئے ہیں۔ اور یہ کہ زمین حرکت کر رہی ہے یہ کسی کے گمان میں بھی نہ تھا۔ سورج کے حوالے سے نظریہ یہ تھا کہ سورج زمین کے مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب میں غروب ہو جاتا۔ اور ایسا بیک وقت پوری دنیا کے لوگوں پر ہوتا ہے۔ یعنی جب سورج غروب ہو رہا ہوتا ہے تو اس وقت پوری دنیا کے باشندے سورج کو غروب ہوتا دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ اور پھر ایک ہی وقت میں پوری دنیا کے لوگوں پر طلوع ہوتا ہے یعنی سورج کا طلوع کا بھی ایک مقام ہے اور غروب ہونے کا بھی ایک ہی مقام ہے۔ یوں رات بھر سورج غروب ہی رہتا ہے۔ جیسا کہ اس نظریے کی درج ذیل تصویر میں وضاحت کی گئی ہے۔





اس وقت رسول اللہ ﷺ نے یہ کہا کہ جب سورج جہاں غروب ہوتا ہے وہاں سے طلوع ہوگا تب کسی نفس کو ایمان لانا نفع نہ دے گا الا یہ کہ وہ اصلاح کرنے والے اعمال نہ کر لے ایمان میں خیر نہ کمالے۔

آج سے کچھ دہائیاں پہلے جب انسان پر یہ راز کھلا کہ زمین چپٹی نہیں گول ہے گیند کی مانند اور سورج نہیں بلکہ زمین گردش کر رہی ہے جس کی وجہ سے دن اور رات آتے جاتے ہیں۔ اور ایسا نہیں ہے کہ سورج رات بھر غروب رہتا ہے بلکہ سورج تو ہر لمحہ دنیا پر کہیں نہ کہیں طلوع ہی رہتا ہے سورج غروب ہوتا ہی نہیں۔ اس سے پہلے پوری دنیا کے لوگوں کا یہ نظریہ تھا کہ سورج مغرب میں جہاں اسے وہ اپنی آنکھوں سے غروب ہوتا دیکھ رہے ہوتے تھے وہاں غروب ہو جاتا ہے۔ لیکن جب آج سے کچھ عرصہ پہلے یہ راز کھلا ہے تو پتہ چلا کہ جہاں ہم سورج کو غروب ہوتا دیکھ رہے ہوتے ہیں اسی مقام سے اسی وقت مغرب سے دنیا کے کئی خطوں پر طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔

یعنی کہ رسول اللہ ﷺ اگر اس وقت یہ کہتے کہ زمین گیند کی طرح گول ہے اور سورج زمین کے مشرق سے مغرب کے طرف آتا جاتا نہیں بلکہ سورج تو ایک ہی مقام پر اپنے ہی محور پر گھوم رہا ہے نہ کہ زمین کے گرد لیکن زمین گھوم رہی ہے جس کی وجہ سے دن رات ہوتے ہیں تو اکثریت ایمان لانے کی بجائے تکذیب کر دیتی۔ کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سورج سفر نہیں کر رہا حالانکہ ہم اپنی آنکھوں سے سورج کو آتا جاتا دیکھ رہے ہیں۔ اور اگر زمین اتنی غیر معمولی رفتار سے گھوم رہی ہوتی تو زمین پر کچھ ہلتا جلتا اور کے کچھ اثرات تو واضح ہوتے اس لیے یہ بات غلط اور ایسا ناممکن ہے یوں اکثریت ایمان لانے کی بجائے کفر کر دیتی۔ اسی کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے صرف علم ہی نہیں بلکہ اس علم کو پوری حکمت کیساتھ استعمال کیا۔ ایسے الفاظ استعمال کیے جو کہ انتہائی غیر معمولی ہیں اللہ کی طرف حکمت کیساتھ دعوت دی۔ اگر ہم تھوڑا سا بھی غور کریں تو یہ حیران کر دینے والی انتہائی غیر معمولی بات ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے بات ایسے کی کہ گویا وہ حقیقت کے برعکس ہے یعنی کہ سورج زمین کے گرد گھوم رہا ہے جو کہ جھوٹ تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے الفاظ نہ صرف بالکل حق پر مبنی تھے بلکہ بہت ہی پیچیدہ ترین بھی ہیں۔ گہرائی میں جا کر سمجھے بغیر یہی لگتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ کہا کہ سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔ یعنی زمین الٹا گھومنا شروع کر دے گی جو کہ قرآن میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے بھی نفی کر دی کہ ایسا ممکن ہی نہیں۔

لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ. الروم ۳۰  
نہیں ہے تبدیلی اللہ کی خلق کے لیے۔

یعنی اللہ کی خلق تبدیلی کی متحمل ہے ہی نہیں اگر اللہ کی خلق میں کوئی تبدیلی کی جائے گی تو اس کا انجام صرف اور صرف تباہی کی صورت میں نکلے گا۔ تبدیلی کے بعد وہ ٹھیک نہیں رہ سکتی۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا. الاحزاب ۶۲  
اور ہرگز نہیں پاؤ گے اللہ کی سنت کو تبدیل ہوتے ہوئے۔

یعنی اللہ کا جو بھی طریقہ ہے وہ تبدیلی کا متحمل ہو ہی نہیں سکتا اگر اس میں تبدیلی کی جائے گی تو اس سے خرابیاں ہوں گی اور بالآخر تباہی آئے گی اور پھر یہ بھی کہ اللہ سبحان و تعالیٰ اپنی سنت یعنی طریقے میں تبدیلی نہیں کرتا۔  
اس لیے اگر یہ نظریہ رکھنا کہ زمین کو اللہ سبحان و تعالیٰ الٹا گھمائیں گے جس کی وجہ سے سورج الٹا گھومتا نظر آئے گا تو قرآن اس کی یکسر نفی کرتا ہے اللہ کے قانون میں اسکی کوئی گنجائش نہیں۔

بظاہر تو ایسا ہی لگتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ کہا کہ سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو سورج الٹا سفر کرتا ہوا نظر آئے گا لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج جس مقام پر ہم سورج کو غروب ہوتا دیکھ رہے ہوتے ہیں وہ غروب ہوتا ہی نہیں اسی وقت اسی مقام غروب یعنی مغرب سے دنیا کے بہت سے خطوں پر سورج طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔ پہلے لوگوں کو اس کا قطعاً علم نہ تھا وہ تو سمجھتے تھے کہ پوری دنیا پر ہی سورج غروب ہو جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سورج تو غروب ہوتا ہے نہیں۔

اگر ہم کسی ایک مقام پر موجود ہیں جہاں ہمارے لیے سورج غروب ہو رہا ہوتا ہے اسی مقام غروب سے دنیا کے بہت سے خطوں کے باشندوں پر سورج طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔ ہمارے لیے تو سورج غروب ہو رہا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ غروب نہیں بلکہ دنیا کے بہت سے لوگوں پر وہاں سے طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔ ہمارا لیے مقام غروب تو دوسروں کے لیے وہی مقام طلوع ہوتا ہے۔

اور یہ راز موجودہ دور میں کھلا جب اللہ سبحان و تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوا۔

سَرِيهِمْ اِيْتِنَا فِي الْاَفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ . فصلت ۵۳

عنقریب ہم دیکھائیں گے انہیں اپنی آیات بلندیوں میں اور ان کی اپنی ذاتوں میں یہاں تک کہ ان کے لیے اُن کے ذریعے بالکل کھل کر واضح ہو جائے کہ اس میں کچھ شک نہیں وہ حق ہے

اس سے پہلے سوائے ان چند خواص کے جو رسول اللہ ﷺ کے بہت قریبی اور ذہین اصحاب تھے جن کے پاس محمد رسول اللہ ﷺ سے براہ راست علم پہنچا یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کے قریب ترین جو اصحاب تھے یا ان کے ذریعے نسل در نسل اگر کسی تک پہنچا ان کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہ تھا۔ جو آج اللہ سبحان و تعالیٰ کے وعدے کے مطابق پوری دنیا کے ہر خاص و عام پر کھل چکا ہے۔

اس سے ثابت ہو گیا کہ اب غیب تو غیب رہا ہی نہیں۔ جب غیب کھل کر واضح ہو گیا تو غیب نہ رہا اور ایمان تو غیب پر لایا جاتا ہے نہ کہ جس کے بارے میں واضع علم ہو یا جو شے سامنے موجود ہو۔ جو سامنے موجود ہو یا یقین کی حد تک علم آجائے تب ایمان لانا یعنی اسے تسلیم کر لینا مجبوری بن جاتا ہے اس کے انکار کا تو کوئی جواز ہی نہیں رہتا اور نہ ہی انکار کیا جاسکتا ہے۔ امتحان تو تب تھا جب یہ سب کچھ غیب تھا اس وقت ایمان لانا امتحان تھا۔ تب صرف وہی ایمان لاتے تھے جن کے دل گواہی دیتے تھے لیکن آج تو ایمان لانا یعنی اللہ کے جو اس سے پہلے غیب تھے انہیں تسلیم کرنا مجبوری بن چکا ہے اب اس کا انکار کرنا ہی ناممکن ہے اس لیے آج ایمان لانا کوئی نفع نہیں دے گا بلکہ ایمان لانے کے بعد جو ایمان لانے کا مقصد ہے جب تک وہ پورا نہیں کیا جائے گا تب تک اللہ کے نزدیک کافر ہی ٹھہریں گے۔

سورج کا مغرب سے طلوع ہونے کا ایک رخ یہ تھا جو سمجھنے کے لیے بہت ہی مشکل ترین پہلو تھا اگر اسے نہ سمجھا جائے تو انسان لامحالہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ افتراء کر بیٹھے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے جھوٹ کہا کہ ایسا ممکن ہی نہیں کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جیسے لوگ پہلے سمجھتے تھے اور آج بھی اکثریت یہی سمجھتی ہے کہ سورج آنکھوں سے مغرب سے مشرق کی طرف سفر کرتا ہوا نظر آئے گا۔ جو کہ اللہ کے قانون میں سرے سے ہے ہی ناممکن۔ قیامت آجائے گی لیکن ایسا نہیں ہوگا۔

جن لوگوں کو یہ سمجھ آگئی کہ سورج مغرب سے طلوع ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اس کے لیے زمین کو اپنا گھومنے کا رخ تبدیل کرنا پڑے گا اور ایسا ممکن ہی نہیں۔ اگر کوئی ایک بھی سیارہ الٹا گھومے تو پورا آسمان جس میں کھرب ہا کہکشائیں ہیں اچانک تباہ ہو

جائیں گی جیسے گاڑی تیز رفتار سے چل رہی ہو تو یہ ممکن ہی نہیں کہ تین ٹائر میں سے ایک ٹائر الٹا گھومنا شروع کر دے یا انجن میں کوئی ایک گراری ہی الٹا گھومنا شروع کر دے۔ پہلی بات تو یہ کہ ایسا ممکن ہی نہیں اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ایسا ہو سکتا ہے تو پوری گاڑی اچانک تباہ ہو جائے گی اس کا نہ صرف انجن پھٹ جائے گا بلکہ پوری گاڑی ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔ جن کو اس بات کی سمجھ آگئی انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اللہ کے نبی نے تمثیلی بات کی تھی نہ کہ حقیقی۔ حالانکہ ہم نے دیکھ لیا کہ ایسا قطعاً نہیں اللہ کے نبی محمد ﷺ نے تو بالکل سچ کہا اور غیر معمولی راز بیان کر دیا لیکن ہم نے آج تک سمجھنے میں غلطی کر دی۔

رسول اللہ ﷺ ہر بات ہر ایک کے سامنے نہیں کرتے تھے بلکہ سامنے والوں کی عقل کے مطابق بات بیان کرتے تھے یہ جو موجود آج راز کھل رہے ہیں اس وقت کی اکثریت ان کا ادراک نہیں کر سکتی تھی اور نہ ہی ان کے لیے یہ باتیں سمجھنا بہت ضروری تھیں بلکہ جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے دنیا میں بھیجا گیا اصل مقصد تو اس کو پورا کرنا ہی مقصود تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ایسی باتیں بہت کم اصحاب سے بیان کیں اور جن سے کیں وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے بہت قریبی اور غیر معمولی ذہانت رکھنے والے اصحاب تھے جیسا کہ ہم درج ذیل روایت میں دیکھ سکتے ہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ ﷺ سئل :

هذه المغارب من اين تغرب؟ وهذه المطالع من اين تطلع؟ فقال ﷺ:

هي على رسلها لا تبرح ولا تزول، تغرب عن قوم وتطلع على قوم،  
وتغرب عن قوم وتطلع، فقوم يقولون غربت، وقوم يقولون طلعت.

مسند امام ابو اسحاق الہمدانی

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: سورج کے جو غروب ہونے کے مقام ہیں کہاں سے غروب ہوتا ہے؟ اور اس کے جو طلوع ہونے کے مقام ہیں کہاں سے طلوع ہوتا ہے؟ پس جواب



دیا رسول اللہ ﷺ نے اسے یعنی زمین کو اس پر یعنی سورج پر بھیجا جاتا ہے، سورج نہ ہی اوپر جاتا ہے اور نہ ہی نیچے آتا ہے، نہ ہی زمین سے دور جاتا ہے، نہ روانہ ہوتا ہے نہ تھکتا ہے، نہ رکتا ہے نہ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف جاتا ہے۔ جہاں غروب ہوتا ہے ایک قوم سے وہیں سے ایک قوم پر طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے ایک قوم سے اور وہیں سے طلوع ہوتا ہے پس قوم یعنی لوگ کہتے ہیں غروب ہو گیا اور قوم یعنی لوگ کہتے ہیں طلوع ہو گیا۔

**برج.** روانہ ہونا، اوپر جانا، کسی مقام کو چھوڑنا، کسی سے دور جانا، تھک جانا یا تھکاوٹ وغیرہ۔

**زول.** رکنا، ٹھرنا، نیچے آنا، کسی کا ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف جانا۔

اُس وقت ایسے الفاظ انتہائی غیر معمولی اہمیت کے حامل تھے اور اُس وقت اس راز کو اتنی گہرائی سے جاننا صرف ایک ہی صورت میں ممکن تھا کہ جیسے آج ہم زمین کو گھومتے ہوئے اور سورج کے طلوع و غروب کی حقیقت کو اپنے ٹی وی یا کمپیوٹر کی سکرینوں پر دیکھتے ہیں بالکل اسی طرح اپنی آنکھوں سے یہ سب دیکھ کر ہی ایسے الفاظ بیان کیے جاسکتے تھے یا اگر خالق و مالک اللہ سبحان و تعالیٰ اگر کسی کو دیکھا دیں تو ممکن تھا۔ بہر حال جو حقیقت آج ہم پر جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے ہی منکشف ہوئی وہ آج سے صدیوں قبل جب کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا تب اللہ کے رسول محمد ﷺ نے یہ حقیقت بیان کر دی۔ اب جب رسول اللہ ﷺ کو خود اس حقیقت کا علم تھا تو پھر اگر محمد رسول اللہ ﷺ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کا کہتے ہیں تو اس کا بالکل واضح اور صاف مطلب یہی ہے جو روایت میں اللہ کے نبی نے بیان کر دیا۔ کہ لوگ کہتے ہیں طلوع ہو گیا اور لوگ کہتے ہیں غروب ہو گیا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ غروب تو ہوتا ہے نہیں جہاں ہمیں غروب ہوتا ہوا نظر آ رہا ہوتا ہے وہیں سے دوسری قوم پر طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔ یعنی مغرب سے ہی طلوع بھی ہو رہا ہوتا ہے یہی وہ راز تھا جب یہ منکشف ہونا تھا تب کسی نفس کا ایمان لانا اسے کوئی نفع نہ دے گا۔ اس لیے نفع نہیں دے گا کیونکہ اس وقت دنیا کا ہر انسان عملی طور پر فساد کبیر میں شریک ہو کر اللہ کے ساتھ شریک بنا ہوا ہوگا۔

یہ بات محمد رسول اللہ ﷺ نے کسی عام موقع پر نہیں کی نہ ہی اکثریت سے یہ الفاظ بیان کیے بلکہ یہ الفاظ صرف ابن عباس جو

کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھی تھے اور ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہ کی بہن کے بیٹے بھی تھے سے ان کے سوال پر بیان کیے۔ رسول اللہ ﷺ نے ابن عباس یعنی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے لیے دعا بھی کی۔

**اللهم فقهه في الدين و علمه التأويل . (البزار، ابن حبان، طبرانی، البایہ والنہایہ)**

**اے اللہ اسے دین کی سمجھ دے اور تاویل کرنے کا علم دے**

ممکن ہے رسول اللہ ﷺ نے یہ بات ابن عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور سے بھی بیان کی ہو مگر ہم تک یہ روایت ابن عباس سے متعلق ہی ملتی ہے۔ الحمد للہ ہم نے سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ایک پہلو سے جان لیا جو نہایت ضروری تھا اب ہم اس کا دوسرا پہلو یا اسے دوسرے پہلو سے سمجھتے ہیں۔

## دوسرا پہلو۔

**قال رسول الله ﷺ أول الآيات طلوع الشمس من مغربها . طبرانی**

**رسول اللہ ﷺ نے کہا پہلی آیات طلوع ہونا ہے سورج کا اس کے یعنی زمین کے مغرب سے۔**

سورج کا مغرب سے طلوع ہونا کیا ہے اس کا جواب بہت ہی واضح اسی روایت کے الفاظ میں موجود ہے لیکن وہ تب ہی نظر آئے گا جب روایت کے الفاظ میں غور کیا جائے گا۔

**طلوع الشمس من مغربها .**

**طلوع ہوگا شمس اس کے یعنی زمین کے مغرب سے۔**

روایت میں **من مغرب** نہیں ہے بلکہ **من مغربها** ہے **مغرب** کیساتھ ”ھا“ کا اضافہ ہے کہ سورج

زمین کے مغرب سے طلوع ہوگا۔ یعنی جہاں ہم سورج کو غروب ہوتا دیکھ رہے ہوتے ہیں وہاں سے طلوع ہوگا۔ ہمارے لیے تو مغرب کا کوئی نہ کوئی مقام ہوتا ہے اور وہ بھی کوئی ایک نہیں ہوتا بلکہ پوری دنیا کے انسانوں کے لیے الگ الگ مغرب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورج اس کے مغرب سے طلوع ہوگا تو سب سے پہلے ہمیں اس کا مغرب یعنی غروب ہونے کا مقام کونسا ہے اس کا تعین کرنا پڑے گا جو کہ وجود ہی نہیں رکھتا۔ یعنی ایسا کوئی مقام ہے ہی نہیں جہاں سورج غروب ہو سورج تو غروب ہوتا ہی نہیں۔ زمین کے لیے سورج کا کوئی بھی مقام غروب ہے ہی نہیں جس سے کھل کر واضح ہو جاتا ہے کہ سورج جیسے چلتا نظر آ رہا ہے ویسا ہی چلتا رہے گا البتہ وہ تو زمین پر موجود انسانوں کے لیے مغرب اور مشرق ہوتا ہے۔ جہاں انسان کو سورج غروب ہوتا نظر آئے گا وہی سے وہ طلوع ہوگا۔ جب غروب انسانوں کے نزدیک ہوتا ہے وہ طلوع بھی انسانوں کے ہی نزدیک ہوگا۔ زمین کا کوئی بھی ایک مقام ایسا نہیں جہاں سورج غروب ہوتا ہے بلکہ جیسے جیسے زمین گھومتی ہے ایک جگہ سورج غروب ہوتا ہے تو وہیں طلوع میں ہو رہا ہوتا ہے۔ یوں تو پوری زمین ہی سورج کا مشرق بھی بن جاتی ہے اور مغرب بھی۔ جہاں زمین پر غروب ہو رہا ہوتا ہے تو وہیں سے طلوع بھی ہو رہا ہوتا ہے۔

پہلے پہلو میں سورج اور زمین کے بارے میں جو آج سے پہلے انسانوں کا نظریہ تھا وہ بیان کیا جا چکا جس کے مطابق لوگ سمجھتے تھے کہ سورج سفر کر رہا ہے اور پوری دنیا کے انسانوں پر بیک وقت طلوع اور غروب ہوتا ہے لیکن آج یہ راز کھل گیا کہ سورج تو غروب ہوتا ہی نہیں۔ غروب اور طلوع تو زمین پر موجود مخلوقات کے لیے ہے اور جب یہ سب راز کھل گئے تو پتہ چلا کہ جہاں دنیا کے لوگوں پر سورج غروب ہو رہا ہوتا ہے تو اسی مقام سے وہ دوسروں پر طلوع ہو رہا ہوتا ہے یہ تھا سورج کا اس کے مغرب سے طلوع ہونا۔

## تیسرا پہلو

قال رسول الله ﷺ أول الآيات طلوع الشمس من مغربها. **طبرانی**

رسول اللہ ﷺ نے کہا پہلی آیات طلوع ہونا ہے سورج کا اس کے مغرب سے۔

سورج کا اس کے مغرب سے طلوع ہونا قیامت کی پہلی آیات ہیں۔ یہاں جو بات قابل غور ہے وہ یہ کہ اگر سورج مغرب سے طلوع ہو یعنی کہ سورج الٹا سفر کرتا نظر آئے تو یہ ایک ہی آیت ہو سکتی ہے نہ کہ ایک سے زائد آیت۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے الفاظ میں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ **أول الآيات**۔ پہلی آیات۔ یہ نقطہ ذہن میں رکھنا لازمی ہے جو غور و فکر پر مجبور کرتا ہے۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ایک نہیں بلکہ ایک سے زائد آیات ہیں۔ آیت کے معنی نشانی اور آیات کے معنی نشانیوں کے لیے جاتے ہیں ہم یہ معنی نہیں لیں گے کیونکہ روایت کا متن اس کی اجازت ہی نہیں دیتا بلکہ ہم اس بارے میں مزید غور و فکر کریں گے اور جانیں گے کہ اللہ کے نبی محمد رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں مزید کیا کہا۔

قال رسول الله ﷺ: لا تقوم الساعة حتى تطلع الشمس من مغربها،

فاذا طلعت ورآها الناس امن من عليها، فذاك حين (لا ينفع نفساً

ایمانها لم تكن آمنت من قبل أو كسبت في إيمانها خيراً. الانعام :

(۱۵۸). هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ

رَبِّكَ ۖ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ

أَمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا ۗ قُلِ انْظُرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ .

ابو داؤد، ابن ماجہ



رسول اللہ ﷺ نے کہا نہیں قائم ہوگی ساعت یعنی آخری تباہی قیامت حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو جائے، پس جب طلوع ہوگا اور انسان دیکھیں گے ایمان لے آئیں گے جن پر طلوع ہوگا، پس وہ یہ وقت ہوگا جب کسی نفس کو اس کا ایمان لانا نفع نہ دے گا اگر وہ اس سے پہلے ایمان نہ لایا یا اپنے ایمان میں خیر نہ کمائی۔ آگے رسول اللہ ﷺ نے سورۃ الانعام کی آیت ۱۵۸ کی تلاوت کی۔

جیسا کہ پیچھے ہم نے بیان کیا تھا کہ ہم آیات کو آیات ہی رہنے دیں گے۔ جب ہم اس روایت کو دیکھیں تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا کوئی ایک آیت نہیں بلکہ زیادہ آیات ہیں۔ جس کی تصدیق اس روایت میں رسول اللہ ﷺ کا یہ کہنا کہ وہ وقت ہوگا یعنی سورج کا مغرب سے طلوع ہونا وہ وقت ہوگا جو قرآن میں سورۃ الانعام کی آیت ۱۵۸ ہے۔ وہ آیات کیا ہیں ان پر آگے بات ہوگی لیکن اس سے پہلے روایت میں ایک اور نقطے کو سامنے رکھ لیں۔

رسول اللہ ﷺ نے کہا

**فاذا طلعت ورآھا الناس امن علیھا**

پس جب طلوع ہوگا اور انسان دیکھ کر ایمان لے آئیں گے جن پر طلوع ہوگا۔

بہت ہی عجیب و غریب بات ہے کہ اگر سورج مغرب سے ایسے ہی طلوع ہو جیسے مشرق سے ہوتا ہے یعنی اس طرح ہو کہ ہم اپنی آنکھوں سے اسے مغرب سے طلوع ہوتا دیکھیں اور وہ الٹا سفر کرتا ہوا ہمیں مغرب سے مشرق کی طرف جاتا دیکھائی دے تو تمام انسانوں کو نظر آنا چاہیے اور تمام کے تمام انسانوں کو ایمان لانا چاہیے لیکن رسول اللہ ﷺ یہ کہہ رہے ہیں کہ دیکھ کر ایمان وہ لائیں گے جن پر طلوع ہوگا یعنی کہ نہ ہی تمام دنیا کے انسان دیکھ پائیں گے اور نہ ہی تمام دنیا کے انسان ایمان لائیں گے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ آج جب سورج مشرق سے نکلتا ہے تو سب انسان دیکھتے ہیں اور سب پر طلوع ہوتا ہے لیکن جب وہ مغرب سے طلوع ہوگا تو سب پر طلوع نہیں ہوگا نہ ہی سب دیکھ سکیں گے ایسا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔ اس سوال کا جواب بھی رسول اللہ ﷺ نے ساتھ ہی اپنے اگلے الفاظ میں دے دیا۔

## فداک حین

پس وہ وقت ہوگا

یعنی ایسا ہرگز نہیں ہے کہ سورج کی سمت تبدیل ہوگی بلکہ کچھ ایسے حالات و واقعات ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں بیان کیا کہ سورج مغرب سے طلوع ہوگا اس کا مطلب کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے ساتھ ہی اس کی بھی وضاحت کر دی کہ یہ وہ وقت ہوگا

( لا ینفع نفساً ایمانہا لم تکن آمنت من قبل أو کسبت فی ایمانہا خیراً .

الانعام : ۱۵۸ ) .

نہیں نفع دے گا کسی نفس کو اس کا ایمان لانا جو نہ لایا اس سے پہلے ایمان یا نہ کمائی اس نے اپنے ایمان میں خیر۔ رسول اللہ ﷺ نے یہاں سورۃ الانعام کی ۱۵۸ آیت تلاوت کی۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا کیا ہے اس کے لیے ہمیں سورت الانعام کی اس آیت میں غور کرنا ہونا تب جا کر ہم پر حقیقت منکشف ہوگی۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ ط  
يَوْمَ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ  
أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيْمَانِهَا خَيْرًا ط قُلْ انتظروا أنا منتظرون . (الانعام ۱۵۸)

کیا انتظار کر رہے ہیں مگر کہ ان کے کرتوتوں کے سبب آئیں ان پر ملائکہ یا آئے تیرا رب یا آئیں بعض آیات تیرے رب کی، جس یوم آئیں گی بعض آیات تیرے رب کی نہیں نفع دے گا کسی نفس کو اس کا ایمان لانا نہ ہو وہ اس سے پہلے ایمان والا یا کمالی خیر اس نے اپنے ایمان میں، کہو انتظار کرو اور اس میں کچھ شک نہیں ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔

یہ بہت ہی گہری آیت ہے نہ صرف گہری بلکہ انسان کے رونگٹے کھڑے کر دینے والی ہے۔ انسان کے لیے دنیا کو قید خانہ بنا دیتی ہے اگر انسان کو سمجھ آ جائے اور وہ ایمان لے آئے جیسے کہ ایمان لانے کا حق ہے۔

جب تک ہم اس آیت کا پس منظر نہیں جانیں گے تب تک ہم اس آیت کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ تب تک ہمارے نزدیک یہ چند الفاظ کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا۔ اور اس آیت کا پس منظر جاننے کے لیے ہم پر ضروری ہے کہ ہم اس سے پیچھے کی تمام آیات میں غور و فکر کریں تب جا کر ہم پر یہ آیت واضح ہوگی۔ اگر ہم اس آیت کا پس منظر تفصیل سے بیان کریں تو وہ بہت زیادہ لمبا ہو جائے گا اس لیے ہم جوں بلب لباب ہے اس کو سامنے رکھیں گے باقی اس آیت کا پس منظر وہی ہے جو پیچھے پوری کتاب میں بیان کیا جا چکا اور جو کچھ آگے کتاب کے آخر تک آئے گا۔

مثلاً اللہ سبحانہ و تعالیٰ سورت الانعام میں ہی کہتے ہیں تم سے پہلے جو قومیں ہلاک ہو چکیں یعنی قوم نوح، عاد، ثمود، لوط، آل فرعون، مدین والے، کہ ان سب کو زمین میں وہ اختیارات وہ قوت، وسائل، اسباب وغیرہ حاصل تھے جو تمہیں حاصل نہیں ہیں یعنی وہ تم سے قوت و وسائل وغیرہ میں بڑھ کر تھے اس کے باوجود ان کا انجام کیا ہوا؟

پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ زمین میں پہلی قوموں کے آثار سے عبرت حاصل کرنے کا کہتے ہیں کہ انہیں کیسے ہلاک کیا گیا ان کے آثار سے آج ہم پر سب کچھ منکشف ہو چکا۔

پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے کے بارے میں کہتے ہیں کہ اللہ نے یہ سب حق کیساتھ خلق کیا۔ حق کیساتھ خلق کرنا کیا ہے اس کی تفصیل سے کتاب بھری پڑی ہے اور پیچھے تفصیل سے سب کچھ گزر چکا ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انسان کو طین سے یعنی زمین کے اندر جو کالاکچڑ ہے جسے آج ہم خام تیل کا نام دیتے ہیں اس سے خلق کیا۔ انسان کو اپنی ہی خلق میں غور و فکر کا حکم دیتے ہیں۔ یعنی کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کائنات کی حقیقت کھول کر بیان کر دی اور بتا دیا کہ اللہ کے علاوہ اگر کسی کی بات مانی جائے گی تو کائنات میں تباہیاں آجائیں گی۔ اس لیے اللہ کے علاوہ اور کسی کی بھی بات مان کر فساد نہ کرو۔

آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے سب اللہ کی آیات ہیں ان میں چھیڑ چھاڑ نہ کرو۔ ان سے پنگے مت لو۔ اللہ کے غیب کے پیچھے مت پڑو۔ جو کچھ اللہ نے تمہارے لیے خلق کر دیا اسی پر توکل کرو، اس کے علاوہ خود اللہ کی مخلوقات میں چھیڑ چھاڑ کر کے اپنی ضروریات خلق نہ کرو۔ جو کچھ بھی ہے آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ان کے درمیان ہے سب اللہ کی آیات ہیں اگر ان میں چھیڑ چھاڑ کی جائے گی تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ اللہ نے اجل یعنی رد عمل بھی خلق کیا ہے۔ اللہ کی خلق

تبدیلی کی متحمل ہو ہی نہیں سکتی اس لیے پھر آیات تباہ ہوں گی اور اس تباہی کی لپیٹ میں تم خود بھی آؤ گے۔ یہ مختصر اس آیت کا پس منظر ہے۔ باقی یوں سمجھیں کہ پوری کی پوری کتاب ہی اس ایک آیت کا پس منظر اور اسی کی وضاحت ہے۔

باقی اللہ سبحان و تعالیٰ نے آج جو خود کو بڑے بڑے عالم یعنی سائنسدان کہتے ہیں ان کے بڑے بڑے دعوؤں کا پردہ چاک کر دیا۔ آج تک جتنے بھی سائنسدان ہیں جنہوں نے کائنات کو بہت قریب سے دیکھا ان میں سے کچھ تو ایمان لے آئے مگر بہت کم ہیں جو ایمان لائے اور ان میں سے بھی ایسے بہت کم ہیں جو اس طرح ایمان لائے جو ایمان اللہ کے ہاں مقبول ہے نہ کہ ایسا ایمان جو ایمان کے نام پر خود کو دھوکے میں رکھنا ہو حقیقت میں کافر کے کافر ہی رہیں۔ اور باقی جتنے بھی سائنسدان ہیں ان میں اکثریت کا کہنا اور ان کے دعوے یہ ہیں کہ کائنات ایک خود کار نظام سے چل رہی ہے۔ جسے انگلش میں نیچر اور اردو میں فطرت کہتے ہیں۔ کہ جیسے جیسے انسان فطرت کو مسخر کرتا جائے گا کائنات اس کے کنٹرول میں آتی جائے گی۔ یعنی آسان الفاظ میں بیان کریں تو ان کا کہنا ہے کہ بادلوں کا ایک نظام ہے اگر ہم اس نظام میں تحقیق کر کے اسے جان لیں تو ہم بادلوں پر مکمل کنٹرول پالیں گے۔ اسی طرح زمین جو شے بھی اگاتی ہے اگر تحقیقات کر کے ہم وہ قانون جان لیں تو ہم اس پر بھی کنٹرول پالیں گے اسی طرح بتدریج کرتے کرتے ہم پوری کائنات کو مسخر کر سکتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہم کائنات کے پورے نظام کا جو بنیادی نقطہ ہے اسے جان کر اس میں تحقیق کر کے اسے مسخر کر لیں تو پوری کائنات کو اپنے کنٹرول میں لے سکتے ہیں اور پوری کائنات میں اگر کوئی مالک ہو گا کسی کا حکم چلے گا تم ہم ہی ہوں گے جن کے ہاتھ میں اس کا کنٹرول ہو گا اور جسے چاہیں جب چاہیں موت دیں جسے چاہیں جب چاہیں زندہ کریں۔ یہی وہ دھوکہ تھا جس دھوکے میں ابلیس مبتلا ہو کر اللہ کے ہاں کافر بن چکا تھا۔

لیکن اللہ سبحان و تعالیٰ نے ان کے ان بڑے بڑے دعوؤں کا پول کھول کر رکھ دیا۔

## تَاتِيهِمُ الْمَلَائِكَةُ أُوْيَاتِي رَبِّكَ أُوْيَاتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ

یعنی اس میں کچھ شک نہیں کہ کائنات ایسے ہی نظام سے ایسے ہی قوانین سے چل رہی ہے لیکن وہ قوانین یعنی فطرت ہی سب کچھ نہیں ہے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ نے یہاں تین ذاتوں کا ذکر کیا۔ ان میں تیسرے پر اسے رکھا جسے یہ سب کچھ سمجھ رہے ہیں۔ اس سے پہلے اللہ سبحان و تعالیٰ نے ملائکہ کا ذکر کیا کہ اگر تم اللہ کی کائنات میں اللہ کی آیات میں چھیڑ چھاڑ کرو گے تو کائنات پر ملائکہ معمور ہیں وہ ایسی نوبت ہی نہیں آنے دیں گے۔ اور پھر اللہ سبحان و تعالیٰ کی ذات بذات خود بھی کائنات کے معاملات کو دیکھ رہی ہے اس لیے اگر کائنات میں اللہ کی مخلوقات کو مسخر کرنے کے خواب دیکھو گے تو یہ پورے ہونا ناممکن ہیں۔ اور تیسری



پر اللہ سبحان و تعالیٰ نے انہیں کے نظریے کی بھی حقیقت بیان کر دی کہ اگر تم اللہ کی آیات کو اپنے مقاصد کے لیے یا کسی بھی وجہ سے ان میں چھیڑ چھاڑ کرو گے تو ان میں خرابیاں ہوں گی ان خرابیوں کی وجہ سے تباہ ہوں گی یعنی وہ آیات آئیں گی۔ مثلاً اللہ نے زمین کے گرد کیسوں کی سات تہیں یعنی سات آسمان بنا دیئے انہیں سے بادلوں کا نظام چلتا ہے اگر تم بادلوں کو مسخر کرنے کی غرض سے آسمان میں چھیڑ چھاڑ کرو گے تو بادلوں کا نظام خراب ہو جائے گا۔ موسموں میں تبدیلیاں واقع ہوں گی یوں زمین پر ہر شے تباہی کے دہانے پر پہنچ جائے گی تم اس تباہی کا شکار ہو گے۔

جب آیات کا کفر کیا جاتا ہے یعنی اللہ کی تمام مخلوقات اللہ کی آیات ہیں جب ان میں چھیڑ چھاڑ کی جاتی ہے تو تباہیاں آتی ہیں۔ زلزلے، طوفان، موسموں کا بدل جانا، زمین کا اگانا چھوڑ دینا وغیرہ سمیت باقی ایسا سب یہ سب اللہ کی آیات ہیں جو آگئیں۔

## چوتھا پہلو

مشرق کو مشرق کہا ہی اس وجہ سے جاتا ہے کہ وہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے مشرق کسی خاص ایک نقطے کا نام نہیں ہے اگر ایسا ہو تو پوری دنیا کے لیے ایک ہی مشرق ہونا چاہیے لیکن جب ہم غور کریں تو پوری دنیا کے لیے مشرق الگ الگ ہے حتیٰ کہ جو مقام ہمارے لیے مشرق ہے وہی اوروں کے لیے مغرب۔

اسی طرح مغرب کو مغرب کہا ہی اس وجہ سے جاتا ہے کہ ادھر سورج غروب ہوتا ہے وگرنہ اگر مغرب کسی خاص ایک نقطے کا نام ہے تو پوری دنیا کے لیے ایک ہی ہونا چاہیے لیکن جب ہم غور کریں تو جو ہمارے لیے مغرب ہے وہ دوسروں کے لیے مشرق ہے۔

اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سورج کا مغرب سے طلوع ہونے سے مراد الٹا سفر کرنا شروع کر دے گا تو تب بھی مشرق وہی کہلائے گا جہاں سے سورج طلوع ہوگا اور مغرب وہی کہلائے گا جہاں سورج غروب ہوگا۔ اگر اس سے مراد یہ ہوتا کہ سورج الٹا سفر کرنا شروع کر دے گا تو رسول اللہ ﷺ کو یہ کہنا چاہیے تھا اور ضروریہ کہتے کہ سورج اپنی سمت تبدیل کر لے گا جو کہ اللہ کے قانون میں ناممکن ہے اسی لیے تو اللہ کے نبی محمد رسول اللہ ﷺ نے ایسا نہیں کہا۔

اس لیے سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہمارے نزدیک ہے نہ کہ سورج کے نزدیک۔ انسان پہلے یہی سمجھتا رہا کہ سورج غروب ہو جاتا ہے اور رات بھر غائب رہتا ہے، سورج کا طلوع اور غروب کوئی متعین مقام ہے یعنی کسی خاص ایک مقام سے سورج طلوع ہوتا ہے اور اسی طرح کسی خاص ایک مقام پر غروب ہوتا ہے لیکن آج جب حقیقت کھل گئی انسان نے اپنی آنکھوں سے اللہ کی ان آیات کو دیکھ لیا کہ سورج تو غروب ہوتا ہی نہیں۔ جہاں ایک قوم پر غروب ہو رہا ہوتا ہے تو وہیں دوسری قوم پر طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔ یعنی ایک مقام ایک قوم کے لیے مغرب تو دوسری کے لیے وہی مقام مغرب۔ یوں سورج انسانوں کے نزدیک آج مغرب سے طلوع ہو رہا ہے۔

## پانچواں پہلو۔

بنیادی طور پر سورج کا مغرب سے طلوع ہونا یہ ہے کہ جب اللہ کے بعض آیات آجائیں گی تب صرف ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا حتیٰ کہ اس سے قبل جو ایمان لے آئے تھے۔ جب آیات آجائیں گی تب دنیا میں جتنے بھی انسان ہوں گے ان کا ایمان لانا انہیں کچھ نفع نہیں دے گا الا یہ کہ وہ ایسے اعمال کر لیں جن کی وجہ سے ان کی اصلاح ہو جائے یعنی عمل صالح، اعمال صالح سے ہی ایمان میں خیر کمائی جائے گی۔ اور جب آیات ظاہر ہو جائیں گی تب صرف ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ایمان غیب پر لایا جاتا ہے اور جب غیب ظاہر ہو جائے تب ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں تب ایمان کی جگہ اعمال لے لیں گے۔ ایسے اعمال نہ کیے جن سے اصلاح ہو جائے تو محض ایمان کچھ نفع نہ دے گا۔

ایمان لایا جاتا ہے چھپی ہوئی شے پر۔ مثال کے طور پر میں جنگل میں رہتا ہوں وہیں پیدا ہوا وہیں پلا بڑا۔ مجھے اس جدید معاشرے کا کوئی شعور نہیں۔ آپ شکار وغیرہ کی غرض سے جنگل میں آتے ہیں آپ کی مجھ سے دوستی ہو جاتی ہے۔ آپ مجھے فون کے بارے میں بتائیں کہ ایسی شے ہے جس سے ہزاروں کلومیٹر دور انسان کسی سے ایسے بات کر سکتا ہے جیسے آمنے سامنے بیٹھ کر۔ اب میرے لیے یہ ناقابل تسلیم بات ہوگی لیکن اس کے باوجود اگر میں تسلیم کر لوں کہ ہاں میں مانتا ہوں ایسی کوئی شے ہے خواہ میری سمجھ میں نہ آئے تو یہ ایمان کہلائے گا۔ لیکن اگر میں تسلیم نہ کروں جب تک کہ میں دیکھ نہ لوں تو وہ ایمان نہیں کہلائے گا۔ کیوں کہ جب میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تب میرے لیے انکار کا دروازہ ہی بند ہو جاتا ہے۔ تب ایمان لانے والا وقت ہی ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ ایمان لانے کا وقت تب تک تھا جب تک وہ مجھ سے پوشیدہ تھی میرے لیے صرف ایک خبر تھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کی یہ آیات ظاہر کب ہوں گی؟ اس کا جواب ہے جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔ کیسے ہوں گی؟ تو اس کا جواب بھی اللہ سبحان و تعالیٰ نے دے دیا

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۖ أَوَلَمْ

## يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ . فصلت ۵۳

عنقریب دیکھائیں گے ہم انہیں اپنی آیات بلندیوں میں اور ان کی اپنی ذاتوں میں یہاں تک کہ ان کے لیے ان کے ذریعے سب کچھ ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو جائے گا کہ اس میں کچھ شک نہیں وہ حق ہے یعنی انہیں جو کہا جاتا تھا کہ اللہ کی آیات میں چھیڑ چھاڑ نہ کرو اگر اللہ کے علاوہ الہ ہوں گے تو کائنات میں سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا یہ نہیں مانتے تھے اور انہوں نے وہی سب کیا تو پھر یہ اپنے کرتوتوں کا نہ صرف نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے بلکہ اس سے پہلے جلد ہی ان پر سب کچھ کھل کر واضح ہو جائے گا کہ ہاں حقیقت تھی جو انہیں کہا جاتا تھا کہ اللہ کی آیات کا کفر نہ کرو ان میں چھیڑ چھاڑ نہ کرو۔ کیا نہیں کافی ساتھ تیرے رب کے کہ اس میں کچھ شک نہیں وہ ہر شے پر شہید ہے گواہی دے رہا ہے یعنی آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے ہر شے اللہ کی طرف سے کھول کھول کر یہ واضح کر رہی ہے کہ بہت جلد تباہی آنے والی ہے انسان کے کرتوتوں کی وجہ سے۔ آج دنیا کے جو حالات ہیں جو ہر شے عیب دار ہو چکی ہے وہ اسی وجہ سے ہے جو انسان اللہ کے ساتھ شریک بن بیٹھا اس کے کاموں میں شریک ہو اس کی آیات میں چھیڑ چھاڑ کی۔

## أَلَا إِنَّهُمْ فِي مَرِيَةٍ مِّنْ لِّقَاءِ رَبِّهِمْ ۖ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ ۝ فصلت ۵۴

مریة. اختلاف، شک، جھگڑا، دلیل، بحث، شکوک و شبہات

جان لو آگاہ ہو جاؤ اس میں کچھ شک نہیں یہ اختلاف کرتے ہیں اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جانے سے یعنی کہ یہ اس سے اختلاف کرتے ہیں کہ انہیں کسی نے خلق کیا اور جس ذات نے خلق کیا کسی نہ کسی مقصد کے لیے خلق کیا اور اگر یہ کے مقصد پورا نہیں کریں گے اس کی ہدایات کے خلاف کریں گے تو انہیں اس کے سامنے کھڑا کیا جائے گا ان سے رائی رائی کا حساب لیا جائے گا اور انہیں ان کے کرتوتوں کا سخت بدلہ دیا جائے گا۔ جب ان پر حق



کھلتا ہے تو تسلیم کرنے کی بجائے جھگڑتے ہیں اپنی بے ہودہ دلیلیں دے کر خود کو سچا ثابت کرتے ہیں، شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں۔ جان لو اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ یعنی اللہ نے ساتھ ہر شے کی گھیرا ہوا ہے۔ یعنی اگر کوئی اللہ کی ہدایات کے خلاف کرتا ہے اللہ کی آیات میں چھیڑ چھاڑ کرتا ہے تو ان اعمال کا رد عمل بھی ہوگا اور وہ رد عمل انسان کو ہر طرف سے اپنے گھیرے میں لے لے گا جیسا کہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دنیا کے حالات دیکھ رہے ہیں کہ اگر بارش ہو تو وہ بھی عذاب بن جاتی ہے کچھ بھی ہوتا ہے تو وہ عذاب ہی کی شکل اختیار کر لیتا ہے ہر طرف سے دنیا والے گھیرے میں آچکے ہیں۔

روایات سے سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے حوالے سے جو باتیں سامنے آتی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔ ایک تو ان روایات سے بالکل واضح ہوتا ہے کہ سورج زمین کے گرد گھوم رہا ہے نہ کہ زمین سورج کے گرد۔ جب سائنسدانوں کو اس بات کا علم ہوا کہ زمین اپنے ہی محور پر گھوم رہی ہے جس سے دن اور رات ہوتے ہیں نہ کہ سورج زمین کے گرد گھوم رہا ہے تو اس وقت کے بہت سے علماء نے بہت سے دلائل سے سائنسدانوں کو غلط ثابت کرنے کے دعوے کیے اور اس کا رد کیا کہ سورج کی بجائے زمین گھوم رہی ہے۔ علماء کے دلائل میں جو سب سے مضبوط ترین دلائل تھے جو بنیادی حیثیت کے تھے وہ یہی روایات تھیں جنہیں اللہ کے نبی ﷺ سے منسوب کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ سورج عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے اور دوبارہ طلوع ہونے کی اجازت مانگتا ہے اسے اجازت دے دی جاتی ہے تو وہ دوبارہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا حتیٰ کہ اسے دوبارہ طلوع کی اجازت نہیں دی جائے گی اور حکم دیا جائے گا کہ جہاں سے آیا ہے وہیں سے طلوع ہو تب وہ مغرب سے طلوع ہوگا۔

ان روایات میں تو بالکل صراحت سے یہی واضح ہوتا ہے کہ سورج زمین کے گرد چکر کاٹ رہا ہے لیکن آج یہ روز روشن کی طرح عیاں ہو چکا ہے سورج نہیں بلکہ زمین کی گردش سے دن اور رات آتے جاتے ہیں۔ اس کے باوجود اگر ہم تسلیم کرنے کو تیار نہیں تو اس سے زیادہ کھلی ہوئی اور کون سی بات ہو سکتی ہے۔ آج اس طرح واضح ہونے کے باوجود بھی ہم رسول اللہ ﷺ پر افتراء کرنے پر بضد ہیں۔

پھر بعض روایات میں ہے کہ سورج صرف ایک ہی دن کے لیے مغرب سے طلوع ہوگا اس کے بعد دوبارہ پہلے کی طرح مشرق سے ہی طلوع ہوتا رہے گا۔

پھر بعض روایات میں ہے کہ سورج مغرب سے طلوع ہو کر سر پر پہنچے گا تو دوبارہ واپس چلا جائے گا یعنی وہ طلوع تو مغرب سے ہوگا لیکن غروب مشرق میں نہیں ہوگا بلکہ جب سر پر پہنچے گا تو دوبارہ واپس چلا جائے گا۔ مطلب کہ مغرب سے طلوع ہو کر مغرب میں ہی غروب ہوگا اور اس کے بعد پہلے کی طرح مشرق سے ہی طلوع ہوتا رہے گا۔

اب اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مشرقی خطوں کے رہنے والوں کے سر پر سورج آئے گا تو مغربی خطوں کے رہنے والوں میں سے اکثریت کے لیے اس وقت رات ہوگی اور جو باقی ہیں ان کے لیے بھی سورج کا ان کے سر پر ہونا ناممکن ہے۔ یعنی کسی بھی طرح ایسا ممکن نہیں ہے کہ بیک وقت پوری دنیا پر سورج سر پر موجود ہے۔ یہ اللہ کے قانون کے ہی خلاف ہے اور اللہ نے تو قرآن میں بار بار کہہ دیا۔

**لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ. الروم ۳۰**  
**نہیں ہے تبدیلی اللہ کی خلق کے لیے۔**

یعنی اللہ کا جو بھی طریقہ ہے وہ تبدیلی کا متحمل ہو ہی نہیں سکتا اگر اس میں تبدیلی کی جائے گی تو اس سے خرابیاں ہوں گی اور بالآخر تباہی آئے گی اور پھر یہ بھی کہ اللہ سبحان و تعالیٰ اپنی سنت یعنی طریقے میں تبدیلی نہیں کرتا۔

پھر ان کے علاوہ بعض روایات میں ہے کہ سورج مغرب سے طلوع ہونے کے بعد مغرب سے ہی طلوع ہوتا رہے گا حتیٰ کہ قیامت قائم نہ ہو جائے۔

اب جب ہم ان روایات کو رسول اللہ ﷺ سے منسوب کرتے ہیں یا پھر صحیح روایات کو ہی اپنے تیار کردہ اصولوں اور ظن کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کی، پھر ویسے ہی نظریات قائم کیے اور انہیں عام کیا تو ان سے ایک ہی بات مختلف تضادات کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ ایسا کہہ سکتے ہیں جو ممکن ہی نہ ہو اور جس میں کھلم کھلے تضادات موجود ہوں۔ البتہ ایک صورت ہو سکتی ہے اگر ہم رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ نظریہ قائم کر لیں کہ وہ ظن کی اتباع بھی کرتے تھے۔ یعنی کہ بغیر علم کے اپنے ظن کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ یہ باتیں کہتے رہے۔ پہلے کچھ کہا بعد میں جب کچھ فرق نظر آیا تو وہ کہہ دیا اس کے بعد پھر جب کچھ فرق نظر آیا تو وہ کہہ دیا۔ نعوذ باللہ۔

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کتب احادیث سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ ظن کی اتباع کرتے تھے اور وہ بھی بخاری و مسلم جیسی کتابوں میں جن پر قرآن کی طرح آنکھیں بند کر کے ایمان لانے پر زور دیا جاتا ہے۔ میرا اس سے کوئی نقصان تو نہیں ہوگا بلکہ نقصان اسی کا اپنا ہوگا کہ کوئی رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ایسا نظریہ رکھے لیکن میرا ایمان اور میری غیرت قطعاً اس کی اجازت نہیں دیتی کہ میں رسول اللہ ﷺ پر اپنے عمل سے بہتان تراشی کروں اور زبان سے ان کی محبت اور سنت کی اتباع کا دم بھرتا رہوں۔ میں قطعاً اس نفاق کو پسند نہیں کرتا اور نہ ہی کروں گا۔ کیونکہ اللہ سبحان و تعالیٰ اپنے نبی محمد ﷺ کے بارے میں قرآن میں یوں بیان کرتے ہیں۔

**إِنْ أَتَبِعْ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَى . الانعام ۵۰**

نہیں اتباع کرتا میں مگر جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔

**قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي . الاعراف ۲۰۳**

کہو اس میں کچھ شک نہیں جو میں اتباع کرتا ہوں وہ وحی ہوتا ہے میرے رب سے میری طرف۔

**وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ . النجم ۳ . إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ . النجم ۴**

اور نہیں پابند خواہشات سے یعنی نہیں کچھ بھی کرتا اپنی خواہش سے۔ نہیں ہے وہ یعنی جس کا وہ پابند ہے جو کچھ بھی وہ کرتا ہے مگر وہ وحی ہوتا ہے جو اس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سورج مغرب سے طلوع ہونے والی تمام احادیث من گھڑت ہیں اور کیا ایسا کوئی واقع پیش نہیں آئے گا؟

تو اس کا جواب بہت واضح ہے۔ وہ یہ کہ ہم نے صحیح احادیث کو سمجھنے میں غلطی کی۔ ہم نے پہلے قیاس پر مبنی اپنی عقائد و نظریات قائم کیے پھر انہی کی روشنی میں روایات کو ڈھال دیا۔ روایات کو اپنے مطلب کے معنی و تاویل میں پہنچا دیں اور نہ صرف اس حد تک رہے بلکہ انہیں عام بھی کیا خوب تشہیر کی۔

جب ہم پچھلے پہلوؤں میں اس بات کو سمجھ چکے ہیں کہ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا حقیقت میں ہے کیا تو ہمیں ان روایات

کو سمجھنے میں کوئی بھی مشکل پیش نہیں آئے گی۔

جہاں تک بات ہے کہ سورج مغرب سے طلوع ہو کر سر پر آئے گا اس کے بعد پھر واپس چلا جائے گا اور پہلے ہی کی طرح ہو جائے گا تو اس کا مطلب دنیا میں ایک ایسا وقت آنا تھا جب انسانوں نے اللہ کی آیات میں چھیڑ چھاڑ کرنا تھی جب وہ کسی حد تک تحقیقات کر کے علم حاصل کر چکے تو ان کو ایک دوسری قوم سے بدل دیا جانا تھا یا انہیں پھر واپس اسی سطح پر لے جانا تھا جہاں سے انہوں نے شروع کیا۔ یعنی ایک چھوٹے عرصے تک دنیا میں ان علوم کا ظاہر اور ان پر عمل ہونا تھا جن پر سائنس کے نام پر آج ہو رہا ہے۔ یہ وہ دور تھا جو امت مسلمہ پر آیا تھا کہ جب امت مسلمہ سائنس میں دن بدن بڑھتی جا رہی تھی۔

پھر صرف ایک ہی یوم سورج کا مغرب سے طلوع ہو کر مشرق میں غروب ہونا اس سے مراد موجودہ دور ہے جو القارعہ تک جاری رہے گا یعنی تیسری عالمی جنگ کے آخری مرحلے تک اس کے بعد سات سال تک عیسیٰ علیہ السلام کے دور اقتدار میں پوری دنیا ایک بار پھر فطرت پر چلی جائے گی۔ اور آخری بار جب مغرب سے طلوع ہوگا تو قیامت تک مغرب سے ہی طلوع ہوتا رہے گا تو عیسیٰ علیہ السلام اور مومنوں کے ختم ہو جانے کے بعد کا دور ہے اس کے بعد دنیا فطرت پر نہیں آئے گی یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔

یہ بڑی بڑی خبریں تھیں جو ہم نہ سمجھ سکے۔

بہر حال دوسری بات یہ ہے کہ جو صحیح روایات ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے سورج کا مغرب سے طلوع ہونے کا ذکر کیا تو اللہ کے رسول محمد ﷺ نے ایسے الفاظ استعمال کیے جو ہر وقت کا احاطہ کریں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ اگر واضح طور پر اس وقت یہ کہتے کہ سورج نہیں بلکہ زمین کی گردش کی وجہ سے دن اور رات آتا ہے تو اس وقت کی اکثریت اس بات کو نہ صرف سمجھنے سے قاصر رہتی بلکہ عام لوگوں کے لیے دین کا معاملہ مشکوک ہو جاتا۔ کیونکہ جب ہر ایک اپنی آنکھوں سے یہی دیکھ رہا ہو کہ سورج ہی زمین کے گرد چکر کاٹ رہا ہے تو ایسے وقت میں سب کے سامنے یہ کہنا کہ سورج ایک جگہ پر ہے اور زمین گھوم رہی ہے تو یہ بات بہت ہی کم لوگوں کو سمجھ آتی اور اکثریت اس کا نہ صرف انکار پر مجبور ہو جاتی بلکہ دین کے دشمنوں کے ہاتھ اسلام کو اور محمد رسول اللہ ﷺ کے خلاف پروپیگنڈے کا ہتھیار لگ جاتا۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے انتہائی حکمت سے کام لیا اس وقت کے انسانوں کے سامنے کوئی ایسی بات بالکل واضح الفاظ میں نہیں کہی جس سے ان کے لیے مشکلات پیش آتیں۔

لیکن رسول اللہ ﷺ نے جو الفاظ استعمال کیے اور جو کھلم کھلے اشارے ساتھ کر دیئے ان سے کوئی بھی ذی شعور انسان اس



معاملے کو سمجھنے میں مشکل کا شکار نہیں ہوتا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بالکل واضح کہہ دیا کہ یہ وہی وقت ہوگا جس کے بارے میں قرآن میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے یہ کہا۔

يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا

اور نہیں جس یوم یعنی جس وقت آجائیں گے بعض آیات تیرے رب کی نہیں نفع دے گا کسی نفس کو اس کا ایمان نہیں ہو واوہ ایمان والا اس سے پہلے یا کمایا اس نے اپنے ایمان میں خیر۔

اب جب قرآن کی اس آیت میں غور کریں تو اللہ سبحان و تعالیٰ بالکل کھول کر بیان کرتے ہیں کہ یہ وقت کب اور کون سا ہوگا یعنی ایسا کب ہوگا۔ اس کا جواب اللہ سبحان و تعالیٰ نے قرآن میں یوں دے دیا۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۖ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ . فصلت ۵۳

عنقریب دیکھائیں گے ہم انہیں اپنی آیات بلندیوں میں اور ان کی اپنی ذاتوں میں یہاں تک کہ ان کے لیے ان کے ذریعے سب کچھ ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو جائے گا کہ اس میں کچھ شک نہیں وہ حق ہے یعنی انہیں جو کہا جاتا تھا کہ اللہ کی آیات میں چھیڑ چھاڑ نہ کرو اگر اللہ کے علاوہ الہ ہوں گے تو کائنات میں سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا یہ نہیں مانتے تھے اور انہوں نے وہی سب کیا تو پھر یہ اپنے کرتوتوں کا نہ صرف نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے بلکہ اس سے پہلے جلد ہی ان پر سب کچھ کھل کر واضح ہو جائے گا کہ ہاں حقیقت تھی جو انہیں کہا جاتا تھا کہ اللہ کی آیات کا کفر نہ کرو ان میں چھیڑ چھاڑ نہ کرو۔ کیا انہیں کافی ساتھ تیرے رب کے کہ اس میں کچھ شک نہیں وہ ہر

شے پر شہید ہے گواہی دے رہا ہے یعنی آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے ہر شے اللہ کی طرف سے کھول کھول کر یہ واضح کر رہی ہے کہ بہت جلد تباہی آنے والی ہے انسان کے کرتوتوں کی وجہ سے۔ آج دنیا کے جو حالات ہیں جو ہر شے عیب دار ہو چکی ہے وہ اسی وجہ سے ہے جو انسان اللہ کے ساتھ شریک بن بیٹھا اس کے کاموں میں شریک ہو اس کی آیات میں چھیڑ چھاڑ کی۔

أَلَا إِنَّهُمْ فِي مَرِيَةٍ مِّنْ لِّقَاءِ رَبِّهِمْ ۖ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ ۝ فصلت ۵۴

مریة. اختلاف، شک، جھگڑا، دلیل، بحث، شکوک و شبہات

جان لو آگاہ ہو جاؤ اس میں کچھ شک نہیں یہ اختلاف کرتے ہیں اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جانے سے یعنی کہ یہ اس سے اختلاف کرتے ہیں کہ انہیں کسی نے خلق کیا اور جس ذات نے خلق کیا کسی نہ کسی مقصد کے لیے خلق کیا اور اگر یہ مقصد پورا نہیں کریں گے اس کی ہدایات کے خلاف کریں گے تو انہیں اس کے سامنے کھڑا کیا جائے گا ان سے رائی رائی کا حساب لیا جائے گا اور انہیں ان کے کرتوتوں کا سخت بدلہ دیا جائے گا۔ جب ان پر حق کھلتا ہے تو تسلیم کرنے کی بجائے جھگڑتے ہیں اپنی بے ہودہ دلیلیں دے کر خود کو سچا ثابت کرتے ہیں، شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں۔ جان لو اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ یعنی اللہ نے ساتھ ہر شے کی گھیرا ہوا ہے۔ یعنی اگر کوئی اللہ کی ہدایات کے خلاف کرتا ہے اللہ کی آیات میں چھیڑ چھاڑ کرتا ہے تو ان اعمال کا رد عمل بھی ہوگا اور وہ رد عمل انسان کو ہر طرف سے اپنے گھیرے میں لے لے گا جیسا کہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دنیا کے حالات دیکھ رہے ہیں کہ اگر بارش ہو تو وہ بھی عذاب بن جاتی ہے کچھ بھی ہوتا ہے تو وہ عذاب ہی کی شکل اختیار کر لیتا ہے ہر طرف سے دنیا والے گھیرے میں آچکے ہیں۔

اور آج ہم یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ جو آج سے پہلے جو سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا، جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا جو آج سے چند ہائیاں پہلے کے انسانوں کے لیے معجزات تھے آج وہ سب ہم اپنی آنکھوں سے نہ صرف دیکھ رہے ہیں

بلکہ انجام بھی کھل کر واضح ہو چکا ہے۔ آج دنیا کے بڑے بڑے نامور سائنسدان علی الاعلان یہ کہہ رہے ہیں کہ ٹیکنالوجی کی وجہ سے دنیا اتنی فساد زدہ ہو چکی اور ہو رہی ہے کہ بہت جلد اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ زمین پر زندگی کا تصور ختم ہو جائے گا۔ بڑے بڑے زلزلے، طوفانوں اور تباہیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور یہی تو اللہ سبحان و تعالیٰ نے کہا کہ یہ جان جائیں گے یہ حق ہے۔ یہی سب اللہ سبحان و تعالیٰ انسان سے بار بار کہتے رہے لیکن انسان نے رائی برابر بھی توجہ نہ دی۔

قرآن میں غور و فکر کرنے اور جن روایات میں سورج کا مغرب سے طلوع ہونا مذکور ہے ان روایات کو قرآن پر پرکھنے سے جو وضاحت ہوتی ہے اور راہنمائی ملتی ہے ہم اس پر بات کریں گے۔ سورج مغرب سے طلوع ہونے کا مطلب کیا ہے؟

سب سے پہلے اسے سمجھنا ہوگا۔ سورج اگر طلوع نہ ہو تو رات ہوتی ہے۔ یعنی جب سورج نکلتا ہے تو اندھیرے چھٹ جاتے ہیں اور روشنی ہو جاتی ہے۔ اندھیرے کو قرآن میں ظلمات کہا گیا ہے اور جہالت کو بھی اللہ سبحان و تعالیٰ نے قرآن میں ظلمات کہا ہے۔ جیسے سورج طلوع ہوتا ہے تو ظلمات ختم ہو جاتی ہیں اور نور یعنی روشنی ہو جاتی ہے اسی طرح جب ایسا سورج طلوع ہو جو جہالت کے اندھیروں کو ختم کر کے علم کے نور کو پھیلا دے تو ظلمات نور میں بدل جاتی ہیں۔ جیسا کہ حیران کن طور پر سور الانعام کی پہلی ہی آیت میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے اس کا ذکر کیا۔

**الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ . الانعام ۱**  
 اللہ کے لیے حمد ہے جس نے خلق کیا آسمانوں اور زمین کو اور کر دیا ظلمات یعنی کمیاں اور نور یعنی ان کمیوں کو دور۔

**الظُّلُمٰتِ .** ظلمات کہتے ہیں کمیوں کو جیسے جہاں روشنی جتنی کم ہو اتنا اندھیرا ہو جاتا ہے تو اندھیرے کا حقیقت میں کوئی وجود ہے ہی نہیں بلکہ وہ تو روشنی کی کمی ہے۔ اسی طرح کسی بھی سطح پر کسی بھی شے میں کسی بھی قسم کی کمی کو ظلم کہتے ہیں یعنی کمی۔ جہاں نور ہوتا ہے تو نور کی کمی ختم ہو کر وہاں نور یعنی روشنی ہو جاتی ہے۔

اگر ہم دنیا کے نقشے کو سامنے رکھیں اور اس کے مشرق و مغرب کا تعین کریں تو عرب دنیا کے مشرق میں اور تمام یہود و نصاریٰ کے خطے مغرب میں ہیں۔ قرآن یہود و نصاریٰ کے بارے میں بار بار یہ گواہی دے رہا ہے کہ وہ مغضوب اور ضالین ہیں۔

جہالت کی گھاٹیوں میں یعنی ظلمات میں ہیں۔ اور پھر اگر یہ لوگ کسی ایسے خطے پر غالب آجائیں جو منور ہو تو اس میں بھی یہ ظلمات پھیلا دیں گے ویسا ہی بنا دیں گے جیسے یہ خود ہیں۔

دوسری طرف عرب جو کہ دنیا کے مشرق میں ہیں جب پوری دنیا جہالت میں ڈھوبی ہوئی تھی یعنی ساری دنیا پر ظلمات چھائی ہوئیں تھیں تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مشرق سے ایک شمس طلوع کیا جس نے دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے ایک بڑے حصے کو اپنی روشنی سے روشن کر دیا۔ وہ سورج اللہ کے نبی محمد ﷺ تھے جن کے ذریعے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے دنیا پر چھائی ظلمات کو ہٹا کر روشن کیا۔

عربی کا لفظ جس کا معنی سورج لیا جاتا ہے۔ سورج شمس نہیں ہے بلکہ اسے عربی میں شمس کہا جاتا ہے اور عربی میں سورج کو شمس کیوں کہا جاتا ہے یہ جاننا بھی بہت ضروری ہے۔  
قرآن میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کہتے ہیں کہ

**هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا. یونس ۵**

**وہی ہے جس نے کر دیا شمس کو ضیاء اور چاند کو نور۔**

ضیاء یعنی روشنی والا، روشنی ظلمات کو ختم کر دیتی ہے ہٹا دیتی ہے۔ ہر وہ شے جو ظلمات کو ہٹا دیتی ہے ظلمات تب ہٹی ہیں جب روشنی ہوتی ہے۔ جس شے میں بھی ظلمات کو ہٹانے کی صلاحیت ہو وہ عربی میں شمس کہلاتی ہے۔ ظلمات اندھیرے کو نہیں کہتے، ظلمات کیوں کو کہتے ہیں۔ جس شے میں بھی کسی بھی قسم کی کمی ہو اسے ظلم کہتے ہیں۔ جہالت بھی ظلمات ہیں اور جہالت کی ظلمات تب ہٹتی ہیں جب علم کی روشنی آتی ہے۔ جو بھی انسان ایسا علم لے کر آئے کہ وہاں سے جہالت ختم ہو جائے جہالت چھٹ جائے تو وہ شمس کہلائے گا لیکن علم وہ نہیں جسے آج علم کہا جاتا ہے بلکہ وہ علم جس سے انسان پر اس کی دنیا میں موجودگی کا مقصد نہ صرف واضح ہو جائے بلکہ اسے پورا کیسے کیا جائے گا وہ راہنمائی بھی ہو اس میں۔

رسول اللہ ﷺ کی صورت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے دنیا کے مشرق سے سورج طلوع کیا جس نے دنیا کو ظلمات سے نکالا لیکن قیامت کے قریب مغرب سے سورج طلوع ہوگا۔ مغرب میں اہل روم نصاریٰ ہیں جنہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ضالین قرار دیا۔ جو جہالت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ یہی لوگ قیامت کے قریب دنیا پر غالب آئیں گے اور دنیا کو دوبارہ ظلمات



میں ڈوبو دیں گے یہی وہ سورج تھا جس نے مغرب سے طلوع ہونا تھا۔ جب یہ مغرب والا سورج طلوع ہوا تو ہمیں رسول اللہ ﷺ کے الفاظ کی بھی سمجھ آئی جو ہم پہلے مرحلے میں سمجھ چکے ہیں۔

سورج تو مغرب سے کب کا طلوع ہو چکا لیکن اکثریت آج بھی انتظار میں ہے جنہوں نے اللہ کی نعمتوں کا شکر نہ کیا اللہ کی دی ہوئی آنکھوں، کانوں اور دلوں کا استعمال نہ کیا اس مقصد کے لیے جس مقصد کے لیے یہ نعمتیں دی گئیں تو وہ چوپایوں کی مانند ہیں وہ انتظار کرتے رہیں گے اور اچانک قیامت آجائے گی۔



سلسلہ ادراک قتل دجال باب لد سے کی کتاب ”دجال، فتنہ دجال، یاجوج اور ماجوج“ کا دوسرا حصہ مکمل ہوا لہذا آگے حصہ سوم کا مطالعہ کریں کتاب اس سے آگے حصہ سوم سے شروع ہوتی ہے۔

اس کتاب کا کسی بھی زبان میں ترجمہ کروا کر شائع کرنا یا کسی بھی صورت حسب استطاعت اس کو جہاں تک ممکن ہو سکے انسانوں تک پہنچانا ہر مومن پر فرض ہے تاکہ آپ کے ذریعے جن تک یہ پیغام پہنچ جائے گا اللہ سبحان و تعالیٰ کے نزدیک یا تو وہ ایمان لے آئیں گے یا پھر ان پر حجت پوری ہو جائے گی۔  
والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

# دجال، فتنہ دجال یا جوج اور ماجوج

الانفال  
على منهاج النبوة

اداره نشر و اشاعت ”الانفال ميڈيا سنٹر“ الخلافة الاسلامية على منهاج النبوة